برکفِ "جامِ جنون" و "برکفِ" سندانِ عقل
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

جنون و حکمت

(رباعیات)

جوشؔ ملیح آبادی

ناشر شیخ نظیر احمد

کتب خانہ تاج آفس محمد علی روڈ بمبئی

مطبوعہ سلطانی پریس بھنڈی بازار بمبئی

اردو فارسی اور عربی کی ہر قسم کی کتابیں ملنے کا پتہ
الناظر بک ایجنسی - لکھنؤ

دل رسم کے سانچے میں ڈھالا ہم نے
اسلوبِ سخن نیا نکالا ہم نے
ذرّات کو چھوڑ کر حریفوں کے لئے
خورشید پہ بڑھ کے ہاتھ ڈالا ہم نے

ALLAMA IQBAL LIBRARY
38462
UNIVERSITY SRINAGAR
38462
19.3.62
CHECKED

۱۹۳۷ء تک کی رُباعیاں

ابواب	تعداد رُباعیات	صفحات
حقائق	۱۴۸	۷ تا ۸۰
حُسن و عشق	۶۰	۸۳ تا ۱۱۲
پیرانِ سالوس	۲۰	۱۱۵ تا ۱۲۴
خمریات	۱۰۸	۱۲۷ تا ۱۸۰
متفرقات	۶۶	۱۸۳ تا ۲۱۵

حقائق

تا بود دلم، ز علم محروم نشد
کم بود ز اسرار که مفہوم نشد
اکنوں کہ ہمی بنگرم از روئے خرد
معلومم شد کہ ہیچ معلوم نشد

(خیّام)

اپنے ہی دماغ و دل کا مقہور ہوں میں
خود اپنے ہی دل میں ایک ناسور ہوں میں
واقف ہوں کہ سوچنے میں ہے جی کا زیاں
کیا کیجئے، سوچنے پہ مجبور ہوں میں!

(مصنف)

کر سعی کہ کامگار کر دوں گا تجھے

کونین کا شہریار کر دوں گا تجھے

اِک خس کا بھی راز جان لیگا جس وقت

"اللہ" سے بھی دوچار کر دوں گا تجھے

گر روح میں بابِ کفر و ایماں مسدود

وہ فہم کی وحشت ہے یہ دانش کا جمود

"انکار" بہ ایں دماغِ کمزور و علیل!

"اقرار" بایں عقلِ ضعیف و محدود!

نومیدیٔ نظارۂ انوار بھی جہل
امیدِ شہود و شوقِ دیدار بھی جہل
اک قادرِ مطلق کا جہاں تک ہے سوال
"انکار" بھی جہل ہے اور "اقرار" بھی جہل

ہنسنا بھی عجب شے ہے رونا بھی عجیب
پانا بھی ہے طرفہ بات کھونا بھی عجیب
اک قادرِ مطلق کا یہ اوصافِ حسن
"ہونا" بھی عجیب ہے "نہ ہونا" بھی عجیب

اُلٹے گا فلک نقاب تیرے آگے

کھُل جائے گی ہر کتاب تیرے آگے

ہو جائے گا جب عارفِ یک ذرّۂ خاک

جھُک جائیگا آفتاب تیرے آگے

آزادیِ فکر و درسِ حکمت ہے گناہ

دانا کے لئے نہیں کوئی جائے پناہ

اِس اژدرِ تہذیب کے فرزندِ رشید

یہ مذہب و قانون، عیاذاً باللہ!

مے علم کی پینا ہی نہ آیا اب تک

ساحل پہ سفینا ہی نہ آیا اب تک

اِک نوچ کھسوٹ ہے خوشی کی باہم

اِنسان کو جینا ہی نہ آیا اب تک

یہ بزمگہِ عمل ہے بے نغمہ و صورت

اِس دائرے میں ولولۂ روح ہے فوت

یک رنگی و یکسانیِ اسلوبِ حیات

دراصل ہے ایک سانس لیتی ہوئی موت

دل ہوتا ہے رُو براہ گاہے گاہے
رو لیتے ہیں بھر کے آہ گاہے گاہے
اِس ڈر سے کہیں "خودی" نہ بن جائے "خدا"
کر لیتے ہیں ہم گناہ گاہے گاہے

پامالِ غمِ اِنسان ہوا جاتا ہے
بیچارہ پریشان ہوا جاتا ہے
گھٹتا ہے تو آتا ہے فرشتوں کا جمُود
بڑھتا ہے تو شیطان ہوا جاتا ہے

طوفان کے عفریت کو بے بس کر دے

اس برقِ جہاں سوز کو پھر خس کر دے

ہنگامہ بپا ہے علم سے اے معبود

معصوم جہالتوں کو واپس کر دے

دنیا ہے کہ ہے شیخ! جہنم کی وعید؟

ہے سینۂ شرک میں بھی قلبِ توحید

کھل جائے اگر کاکلِ ظلمت کی گرہ

ہر خم سے برس پڑیں ہزاروں خورشید

آزاد ہو روح شادمانی ہے یہی

بشاش ہو قلب کامرانی ہے یہی

کچھ بھی ہو خراشِ قلب و نیشِ غم کو

محسوس نہ کر، کہ زندگانی ہے یہی

دُنیا ہے فقط رنج بڑھانے کے لئے

کمبخت بٹھاتی ہے اُٹھانے کے لئے

لازم ہے کہ روؤں بھی تو ہنسنے کی طرح

جب چرخ ہنستا ہے رُلانے کے لئے

پھولوں کی اگر ہوس ہے خاروں کو نہ دیکھ

عشرت کی ہے دھن تو سوگواروں نہ دیکھ

تعمیر حیات ہے اگر پیشِ نظر

مڑ کر بھی مٹے ہوئے مزاروں کو نہ دیکھ

ناگفتہ ہیں آج تک فسانے لاکھوں

لب تشنۂ ساز ہیں ترانے لاکھوں

انسان کا دل نہ توڑ اے بندۂ یاس

گم ہیں ابھی فطرت کے خزانے لاکھوں

اے زاہدِ حق شناس واے عالمِ دیں
حضرت کا مقام ہے فقط خلدِ بریں
انساں ابھی چل رہا ہے گھٹنوں گھٹنوں
اور آپ کو ہے قربِ قیامت کا یقیں!!

انصاف اُنہوں کی جبر سے اُٹھانے والے
حُسن اُن کو، مجھے نگاہ دینے والے
کِس منہ سے مجھے حشر میں دیگا تعزیر؟
دل کو ہوسِ گناہ دینے والے

ہر دعوئ ارتقا کو مانا میں نے
ہر گوشۂ کائنات کو چھانا میں نے
سب جان چکا تو اے بصیرت پرداز!
میں کچھ نہیں جانتا، یہ جانا میں نے

ظلمت کا سراغ کب لگایا ہم نے
جب سلسلۂ نور بڑھایا ہم نے
باقی نہ رہا علم کا جب کوئی سلوک
تب جا کے مقام جہل پایا ہم نے

کیا بات ہوئی کہ رو رہا ہے ناداں؟

کیوں مفت میں جان کھو رہا ہے ناداں؟

نالاں ہے کہ سخت ہے زمانے کی گرفت

یہ تجھ سے مذاق ہو رہا ہے ناداں؟

گرداب سے کھیل کر ابھرنے والے

ممنوع شجر سے اے نہ ڈرنے والے

اِس ارض کا تحفہ خلافت ہو قبول

فردوس میں اے گناہ کرنے والے!

جب عقل ہی بیکس ہو تو نیّت کیسی

جب حکمِ مشیّت ہو، شرارت کیسی

ماحول و وراثت پہ ہے مبنی ہر فعل

خاطی پہ ترس کھائیے، نفرت کیسی؟

لو موسمِ آہ و چشمِ نم آپہنچا

دورِ خلش و عہدِ الم آپہنچا

اے مژدۂ عیش سن کے ہنسنے والو!

ہشیار! کہ پیغمبرِ غم آپہنچا

شاہنشہِ دلبری کے مجرے کو اُٹھو

لبہائے شگفتگی کے مجرے کو اُٹھو

لو غم کی گرفت ہو گئی زہرہ گداز

پیغامبرِ خوشی کے مجرے کو اُٹھو

[1] میں "ایطا" کو جائز سمجھتا ہوں بشرائط

جب حدِ مطلب سے دل نکل جاتا ہے

سانچے میں طرب کے درد ڈھل جاتا ہے

کر لیتی ہیں غم کا جب احاطہ نظریں

ہر اشک تبسم میں بدل جاتا ہے

رقصاں ہو جو باطن میں جوانی ہے وہی
پیدا ہو جو خود سے کامرانی ہے وہی
چشمے کی طرح دل سے جو تیرے پھوٹے
اے یارِ عزیز! شادمانی ہے وہی

یہ لمحۂ خوش رمیدہ آہو تو نہیں؟
اس عیش میں کوئی غم کا پہلو تو نہیں؟
آنکھوں میں ہے پھر شرارِ عشرت غلطاں
ڈرتا ہوں کہ اس بھیس میں آنسو تو نہیں؟

The J & K University Library

ہے مہد سے تا لحد بہ ابر بچپن

صرف اِتنا ہٹا ہوا ہے پیری کا چلن

نام اپنے کھلونوں کے بدل لیتے ہیں

"اطفالِ بزرگ" یعنی پیرانِ کہن

تھے پہلے کھلونوں کی طلب میں بیتاب

پھر حُسن کے جلووں سے رہے بے خور و خواب

اب ہیں زن و فرزند پہ دل سے قرباں

بوڑھے ہیں مگر ہنوز بچے ہیں جناب!

گُل پر ہیں نقوشِ دستِ باری اب تک

جُنبش میں ہے دلِ بادِ بہاری اب تک

انساں کی پیمبری کا دَر ہے مسدود

فطرت کی پیمبری ہے جاری اب تک

مستی کا نشان ہے نہ سرشاری ہے

انسان پہ اِک خوابِ گراں طاری ہے

اور اِس پہ طُرّہ کہ نہیں یہ بھی خبر

خود موت بھی خواب ہے کہ بیداری ہے

آتش کے بغیر دُود، ممکن ہی نہیں

بے شامّہ لطفِ عود، ممکن ہی نہیں

عنقا ہو جہاں دولتِ دیدار و شہود

واں "عشق" کا ہو وجود، ممکن ہی نہیں

ہوتا ہے سکونِ غم بڑھانے کے لئے

آتی ہے ہنسی، خون رُلانے کے لئے

افسوس کہ تقدیر جلاتی ہے چراغ

ظلمت کو بہ تفصیل دکھانے کے لئے

ہاں نوعِ بشر جبیں بہ جبیں ہے اب تک

انساں "رہِ راست" پر نہیں ہے اب تک

اللہ کو ہو مژدہ کہ سرکش بندہ

تھا روزِ ازل جہاں وہیں ہے اب تک

ہر گام پہ یوں دام میں لاتا نہ ہمیں

ہستی کے فریب میں پھنساتا نہ ہمیں

ہم اتنے زبوں ہیں کہ جو ہوتا مقدور

شیطان زمیں کھا کے ستاتا نہ ہمیں

اِنسان، اور اِس درجہ تباہی، توبہ

آویزشِ انوار و سیاہی، توبہ

گھٹ کر بڑھنا ہے، اور گھٹ کر بڑھنا

کیا دورِ تسلسل ہے، الٰہی، توبہ!

خود سے نہ اُداس ہوں، نہ مسرور ہوں میں

بالذّات نہ روشن ہوں، نہ بے نُور ہوں میں

مُختار ہے مُختار ہے مُختار ہے تو

مجبور ہوں مجبور ہوں مجبور ہوں میں

یُوں کُفر کی تکرار کئے جاتا ہے

یہ دین پہ اصرار کئے جاتا ہے

اِک عمر سے انکار پہ مائل ہے دماغ

اور دل ہے کہ اقرار کئے جاتا ہے

تھا جانِ چمن جن کا ترانہ اِک دِن

گُم ہو گیا اُن کا آشیانہ اِک دِن

کہتی ہے جسے آج "حقیقت" دُنیا

بن جائے گی یہ شے بھی "فسانہ" اِک دن

میں ڈوب کے غرقِ سرگرانی نہ رہا
کیا لہر اُٹھے بحر میں پانی نہ رہا
سمجھا جو حیات کو تو بخشی گئی موت
جب موت عطا ہوئی تو فانی نہ رہا

خواہش کا رفیقِ کار نکلا وہ بھی
بے عُنصرِ اختیار نکلا وہ بھی
اِنساں کے ارادے کو کیا جب تحلیل
اِک نوع کا اضطرار نکلا وہ بھی

عالم ہیں ہزار یوں تو گورے کالے

اس پر بھی بہت شاذ ہیں حکمت والے

پھرتی ہیں جہالتیں نہ جانے کتنی

کاندھوں پہ عبائے علم و دانش ڈالے

تجھ سے پھرے گی تو کدھر جائے گی

لے جائیگا جس سمت اُدھر جائے گی

دُنیا کے حوادث سے نہ گھبرا کہ یہ عمر

جس طرح گذارے گا، گذر جائے گی

جو شمع تھی، پروانہ ہوئی جاتی ہے

ہر زلفِ رسا، شانہ ہوئی جاتی ہے

تخلیل کی رَو میں ہر حقیقت اے جوشؔ

فریاد، کہ افسانہ ہوئی جاتی ہے

عہدِ موسمِ ہیں بجے نالہ ہائے خوش بار

جیسے ہی کہ لب ہوئے تبسم سے دوچار

کہتی ہوئی دوڑی مری جانب یہ خوشی

"کس بات پہ مسکرا رہے تھے سرکار؟"

محشر میں پکار رہے ہیں مجھ کو زنجیر
اِک بندۂ مجبور کی آخر تقصیر؟
آواز تو دو کوئی، کدھر ہیں آخر؟
ماحول و وراثت و سرشت و تقدیر

اِک مردِ حق آگاہ نظر آتا ہے
اِک کافر و گمراہ نظر آتا ہے
اِس کہنہ سرا میں ہر بد و نیک مجھے

دُنیا میں ہیں بے شُمار آنے والے

آتے ہی رہیں گے روز جانے والے

عرفانِ حیات ہو مُبارک تجھکو

اے شدّتِ غم پہ مُسکرانے والے!

افسوس ہے اے جی کے گنوانے والو

ہر سانس میں سو فریب کھانے والو

غم موجِ تبسُّم سے تَرَشّح جاتا ہے

بیدار ہو اے اشک بہانے والو!

ہر بات پہ ہنس ہنس کے ترا اُترنا کیوں ہے؟
جینے کے لئے بنا ہے مرنا کیوں ہے؟
کونین کے ساتھ کھیل اے طفلِ حیات!
کونین خود اِک کھیل ہے ڈرنا کیوں ہے؟

گھٹ کر کوئی، نہ کوئی بڑھ کر نکلا
درویش نہ ہوں، نہ شاہ بہتر نکلا
دُنیا کے غم و خوشی کو تولا جس وقت
میزان میں ہر فرد برابر نکلا

تو پیکرِ عصمت ہے پشیماں کیوں ہے؟

وابستۂ اصطلاحِ عصیاں کیوں ہے؟

ممکن نہیں اک سانس مشیّت کے خلاف

ہر فعل عبادت ہے، پریشاں کیوں ہے؟

ہاں مرگ و حیات کے سمجھتا ہوں میں راز

آغاز، انجام ہے تو انجام، آغاز

دیتا ہے زمانہ جب اجل کی دھمکی

دل سے آتی ہے قہقہوں کی آواز

جلوے معدوم ہیں، نگاہیں لاکھوں

گردن مفقود، اور بانہیں لاکھوں

مبہوت ہے کاروانِ فکرِ انساں

"منزل" عنقا ہے، اور "راہیں" لاکھوں

کس نقش میں رنگِ حیّ و قیّوم نہیں

موہوم ہے اِس طرح کہ موہوم نہیں

پردے میں ہے اِک قوتِ اعلیٰ تو ضرور

اُس کے اوصاف کیا ہیں؟ معلوم نہیں

اِس دہر میں تا دیر ٹھہرنا بہتر

یا تیز روی سے کوچ کرنا بہتر

بس زندہ ہوں اب تک اُس نذر کے طفیل

جینے میں ہے فائدہ کہ مرنا بہتر

ایسا نہیں جز منافق انساں کوئی

ہو جس سے نہ بیزار و گریزاں کوئی

اِنسان وہی ہے در حقیقت جس کو

یزداں کوئی کہتا ہو تو شیطاں کوئی

اِس فکر میں اِک عمر سے ہوں بے خور و خواب

کِس طرح معطّل ہوں رسوم و آداب

اچھّی تو ہے وضعِ راست کوئی، لیکن

برداشت بھی کر سکیں گے اُسکو احباب؟

یارب اپنی لوح، کہنہ مضمون، یہ کیا؟

صدیوں کیلئے ایک ہی معجون، یہ کیا؟

ہر آن بدلنے والے اِنساں کے لئے

جو پھر نہ بدلنے والا قانون، یہ کیا؟

اَوہام سے دل ڈرے ہوئے ہیں ابتک
کِس طرح جئیں؟ مرے ہوئے ہیں ابتک
افسوس کہ اسلاف کے باسی اقوال
کانوں میں یہاں بھرے ہوئے ہیں ابتک

قانون نہیں ہے کوئی فطرت کے سوا
دُنیا نہیں کچھ نمودِ طاقت کے سوا
قوّت حاصل کر، اور مولیٰ بن جا
معبود نہیں ہے کوئی قوّت کے سوا

اخفر نہیں کوئی ناتواں سے بڑھ کر

ابتر نہیں کوئی ناتواں سے بڑھکر

از روئے شریعت خدائے کم وبیش

کافر نہیں کوئی ناتواں سے بڑھکر

ہر صبح ہے شام بے نوا کے آگے

ہر نغمہ ہے فریاد گدا کے آگے

مفلس کا وہی حال ہے بندوں کے حضور

مشرک کی جو حالت ہے خدا کے آگے

ہر صاحبِ جوہر کو سُبک سر کر دے

فطرت کو زبُوں کر کے زبُوں تر کر دے

افلاس کہ کھینچتا ہے ایماں کی طرف

کمبخت مُسلسل ہو تو کافر کر دے

ہاں سچ ہے کہ مُلکِ حق کا سُلطان ہے شیخ

انساں جسے کہتے ہیں وہ انسان ہے شیخ

لیکن ترے حُسنِ ظن کو یہ علم نہیں

عصیاں سے محروم کہ نادان ہے شیخ

ہر سانس کو وقفِ صد شرارت کر دیں
اخلاق کی کچھ عجیب حالت کر دیں
مُفلس کہ امیروں کے گِنانے ہیں گُناہ
دولت اِنہیں دیدو تو قیامت کر دیں

تعریف نہ کر رفیقِ جانی میری
پامال بہت ہے زندگانی میری
یہ مجھ میں شرافت جو نظر آتی ہے
بُنیاد ہے اِس کی ناتوانی میری

اِنساں کو رفتہ رفتہ حیواں کر دے

ہر نُور کو صد ناربداماں کر دے

دولت کہ فرشتوں سے بڑھا دیتی ہے

جم جائے اگر کہیں تو شیطاں کر دے

جو منزلت انتساب ہو جاتے ہیں

اِک رُخ سے مگر خراب ہو جاتے ہیں

اِنسان کے سینے میں مُنہ کے ہمسر آہ

کچھ عیب بھی باریاب ہو جاتے ہیں

کچھ اِس کے نہیں خلاف ہونے والا

مطلع یہ نہیں ہے صاف ہونے والا

ہاں مِل کے رہے گی تنگ دستی کی سزا

یہ جرم نہیں معاف ہونے والا

بہکی ہُوئی دانش سے حماقت بہتر

نا پُختہ ذہانت سے غباوت بہتر

جو راہِ طلب میں بیٹھ جائے تھک کر

اُس "علمِ قلیل" سے جہالت بہتر

مُنھ شرم سے ڈھانپتی ہے عقلِ انساں

تھرّاتی ہے، کانپتی ہے عقلِ انساں

تحقیق کی منزلیں ہیں عیاذاً باللہ

ہر گام پہ ہانپتی ہے عقلِ انساں

ہر نُطق پہ ایک گفتگو جاری ہے

ہر خاک پہ ایک آبجُو جاری ہے

حیوان و نباتات و جماد و انسان

ہر نبض میں ایک ہی لَہُو جاری ہے

لاکھوں جسم، ایک جان، دیکھو تو ذرا
سو رُخ ہیں، اور ایک نشان دیکھو تو ذرا
جِنّ و بشر و اہرمن و یزداں کا
ہے ایک ہی خاندان دیکھو تو ذرا

اے خالقِ امرِ خیر و اے صانعِ شر
تُجھ پر ہی تو ہے مدارِ افعالِ بشر
ہر ہجو گِلے تیر کا ہدف ہے تری ذات
ہر مدح کی تان ٹُوٹتی ہے تجھ پر

فتنے کی ندی میں ناؤ کھیتا ہوں میں

دھوکے کی ہوا میں سانس لیتا ہوں میں

اپنے کوئی دشمن کو بھی دیتا نہیں جُل

جتنے خود کو فریب دیتا ہوں میں

کیا "ذات" کی بھی شان ہے اللہ اللہ

رنگیں ہے تفکّر میں، تکلّم میں سیاہ

کیا تجھ سے بیاں کروں کہ سِرّ حق کا

"احساس" ثواب ہے اور "اظہار" گناہ

احساس کا ہر ناز اٹھانا ہی پڑا
سر خاکِ مذلت پہ جھکانا ہی پڑا
معلوم کئے ہزار اسرارِ حیات
ہستی کا مگر فریب کھانا ہی پڑا

دریا کے عمق میں جا حبابوں کو نہ دیکھ
اوراقِ چمن الٹ کتابوں کو نہ دیکھ
بکھرے ہوئے اک ذرۂ خاکی کے حضور
ڈوبے ہوئے لاکھ آفتابوں کو نہ دیکھ

تقدیر کے دائرے میں آنا ہی پڑا

سر پائے مشیّت پہ جھکانا ہی پڑا

واقف تھیں مآلِ گُل سے کلیاں لیکن

پھوٹی جو کرن تو مسکرانا ہی پڑا

اپنی ہی گرفت میں خود انساں ہے آج

کل صاحبِ تدبیر تھا حیراں ہے آج

جو وقت کے اقتضا سے تھی کل اک "رسم"

وہ وہم کے ارتقا سے "ایماں" ہے آج

ہر گُل کو تپکتا ہُوا چھالا پایا

ہر طاقِ حرم کو اِک شِوالا پایا

کتنے مانے ہوئے حقائق کا، ندیم!

اوہام ہی کو مُورثِ اعلیٰ پایا!

ہر عالمِ دیں پناہ، جاہل نکلا

ہر کوہِ مثال کاہ، بِسمل نکلا

افسوس کہ کتنے میوہ ہائے "حق" کا

چھلکا جو ہٹا تو مغز باطل نکلا

شکرِ پروردگار کرتا شیطاں

دولت اپنی نثار کرتا شیطاں

انساں کی خباثت سے جو ہوتا آگاہ

اک سجدہ نہیں ہزار کرتا شیطاں

افسوس کوئی واقفِ منزل نہ ہُوا

ناقص ہی رہا ہمیشہ کامل نہ ہُوا

ناداں پیدا ہُوا تھا، ناداں ہی مرا

انساں کو کبھی بلوغ حاصل نہ ہُوا

دُکھ عقل نے کیا کیا نہ سہے ہیں اب تک

کیا کیا نہ یہاں خُون بہے ہیں اب تک

پھر بھی یہ جسرِ انیم رواہانِ کہن

انساں کی طرف رینگ رہے ہیں اب تک

یہ عقلِ زبُوں مٹا کے چھوڑے گی مجھے

یہ آتشِ غم جلا کے چھوڑے گی مجھے

یہ راز کی پیاس خُون پی لے گی مرا

یہ علم کی بھوک کھا کے چھوڑے گی مجھے

اِنساں پہ ہے کِس درجہ خُرافات کا بار
دِن کا ہے کبھی وزن، کبھی رات کا بار
پیدا ہو بشر میں کیا حکیمانہ مزاج
عقلوں پہ ہے صدیوں کی روایات کا بار

ہر دل ہے چراغِ زیرِ داماں، افسوس
ہر سانس ہے ایک طرفہ طوفاں، افسوس
رونا بھی ہے تجھ پہ جور، ہنسنا بھی ستم
افسوس ہے اے غریب انساں، افسوس!

جب شکر نے راہ پر لگایا مجھ کو
حکمت نے جب آئینہ دکھایا مجھ کو
ذرّات سے لے گئے تا بہ انجم واللہ
جُز اپنے کوئی نظر نہ آیا مجھ کو

کہنے کو تو ایک بات کہتا ہوں میں
پر فلسفۂ حیات کہتا ہوں میں
جب میری زباں سے "میں" نکلتا ہے ندیمؔ
اس پردے میں "کائنات" کہتا ہوں میں

محدود ہے جہل سے محبّت میری

کثرت میں دُبی ہوئی ہے وحدت میری

کُل عالمِ محسوس ورائے احساس

کس درجہ وسیع ہے قرابت میری

وابستہ مرا ایک فسردہ آفات سے ہے

روزی سے یہ تنگ وہ خیالات سے ہے

تو جس کی طرف چلا ہے احباب لیکر

وہ سوختہ جاں بھی اہلِ حاجات سے ہے

عامی نے "حجابات" سے تعبیر کیا

عالم نے "نشانات" سے تعبیر کیا

اِس ارض و سما کے ذرّے ذرّے کو مگر

عارف نے فقط "ذات" سے تعبیر کیا

جی بھر کے یہاں کوئی نظارا نہ ہوا

حد یہ ہے کہ صبر کا بھی یارا نہ ہوا

اِنساں کا کسی حال میں بھی خوش رہنا

خونخوار مشیّت کو گوارا نہ ہوا

ہنگامۂ فصلِ بہار واپس لے لے

اے بارِ خدا شعور واپس لے لے

ہر گام پہ موجزن ہے بحرِ ظلمات

ممکن ہو تو مجھ سے نور واپس لے لے

کیا جانئے چہرہ زرد ہوتا کیوں ہے

دل رنج و الم سے سرد ہوتا کیوں ہے

افسوس کہ اتنا بھی نہیں ہے معلوم

کانٹا چبھنے سے درد ہوتا کیوں ہے

چھانی ہر چند اک خدائی ہم نے
کیا کیا نہ یہاں خاک اُڑائی ہم نے
واللہ کہ خُشکی و تری میں کوئی شے
اِنساں سے عجیب تر نہ پائی ہم نے

کچھ بھی نہیں اِس دہر میں اِلّا افسوس
افسوس ہے اے نظامِ دُنیا افسوس
غم ہی کا نتیجہ غم ہو اِتنا ہی نہیں
غم تو ہے خوشی کا بھی نتیجہ افسوس!

کیونکر نہ روا ہو جان کھونا میرا
خود دار ہوں، بیجا نہیں رونا میرا
افسوس کہ ہر شکل سے اے نفسِ غیور!
ثابت ہوتا ہے عبد ہونا میرا

خونیں چشمے اُبل رہے ہیں یارب
خنجر سینوں پہ چل رہے ہیں یارب
تجھ کو بھی خبر ہے کہ تری دُنیا میں؟
چھوٹوں کو بڑے نگل رہے ہیں یارب

پابندِ بقا رہا نہ کوئی اب تک

ہستی کی کو خیر منائے کب تک؟

قائم رہتا ہے زندگانی کا نظام

اِنسان سے موت کھیلتی ہے جب تک

کیا مجھ کو خبر نزاعِ مشرب کیا ہے

مَردُود ہے کیا بلا مُقرّب کیا ہے

شاعر تو ہے خالقِ مذاہب اے دوست

شاعر سے نہ پوچھ تیرا مذہب کیا ہے

ہر ہات میں تیغِ خونچکاں ہے یارب

ہر پاؤں میں زنجیرِ گراں ہے یارب

"مذہب" کی برادری سے دل تنگ ہوں میں

"انساں" کی برادری کہاں ہے یارب؟

خنجر ہے کوئی، تو تیغِ عُریاں کوئی

صرصر ہے کوئی، تو بادِ طوفاں کوئی

"اِنساں" کہاں ہے؟ کس کُرّے میں گُم ہے؟

یاں تو کوئی "ہندو" ہے "مسلماں" کوئی

تسنیم ہو جولانگہِ طوفاں، افسوس

پابندِ تعصّب ہوں اور انساں، افسوس

دریا جتنے ہیں، جا رہے ہیں سوئے بحر

افسوس ہے تجھ پہ کفر ایماں، افسوس!

آلام سے ممکن ہی نہیں دل کو نجات

فریاد ہے اے تلخیٔ آئینِ حیات

جس چیز کو زندگی کا دیتے ہیں لقب

در اصل ہے وہ "مرگِ طویل السّکرات"

واقف ہوں، یہ خوں نابہ فشانی کیوں ہے

یہ شیون و آہ و نوحہ خوانی کیوں ہے

ہر سعی و عمل ہے زندگانی کے لئے

لیکن نہ کھلا کہ زندگانی کیوں ہے

افسوس کہ کوئی کام ہوتا ہی نہیں

جی بھر کے یہاں قیام ہوتا ہی نہیں

سننے والے تمام ہو جاتے ہیں

افسانہ مگر تمام ہوتا ہی نہیں

اِنسان کی جس قدر بھی طرّاری ہے

بس وقت گزارنے کی عیّاری ہے

افسوس کہ بے معرفتِ رازِ حیات

جینا کتنی شدید بیکاری ہے!

اِک پَل مرنا ہے، اور اِک پَل جینا

مرنا بے چین، اور بے کَل جینا

اِک سانس میں زندگی ہے، اِک سانس میں موت

ممکن نہ ہُوا کبھی مُسلسل جینا

ہر سانس میں قانونِ سزا جاری ہے

مستی نہیں اک قسم کی بیماری ہے

انساں پہ یہ زندگی ہے اِک قہرِ خُدا

بیمار پہ یہ رات بہت بھاری ہے

کیا جادۂ پیچیدہ ہے اللہ اللہ

ہر گام پہ ہوتا ہے مسافر گمراہ

سرِ منزلِ جُستجوئے رازِ حق میں

حکمت اِک "ظن" ہے اور حیرت ہے "نگاہ"

کھلتے نہیں عُقدہ ہائے اسرارِ حیات

ملتے نہیں نقشِ پائے اسرارِ حیات

تحقیق ہو گیا، سانس رُکی جاتی ہے

اسرارِ حیات ہائے اسرارِ حیات!!

دل آتشِ حکمت سے پگھل جائے گا

آنکھوں سے لہُو بن کے نکل جائے گا

معلوم نہ ہو گا رازِ یک ذرّہ خاک

اور عُمر کا آفتاب ڈھل جائیگا

اِس دہر میں اِک نفس کا دھوکا ہوں میں

بجلی ہوں، بگولا ہوں، چھلاوا ہوں میں

گھبرائی ہوئی ہے جوشِ شرحِ تحقیق

ہر ذرّہ پکارتا ہے دُنیا ہوں میں

صدہا غمگیں ہیں، چند خوشنود بھی ہیں

سو بہرِ زیاں ہیں، دو پئے سُود بھی ہیں

لاکھوں "موجود" تو ہیں پر "زندہ" نہیں

دس بھی نہیں جو "زندہ" بھی "موجود" بھی ہیں

موقوف نزاعِ کفر و ایماں کر دوں

اضداد کا رابطہ نمایاں کر دوں

اپنے دل سے اگر اُٹھا دوں میں نقاب

کیا دیر ہے، خود حرم کو ویراں کر دوں

اب رسمِ حقیقت ہے نہ آئینِ مجاز

اے سلسلۂ فکر، تری عمر دراز

بڑھتا ہی چلا گیا میں دل کی جانب

آتی ہی رہی دیر و حرم کی آواز

چھالا سا ٹپک رہا ہے میرے دل میں

شعلہ سا بھڑک رہا ہے میرے دل میں

خورشید ہی پر کچھ نہیں موقوف اے جوشؔ

ہر ذرّہ کھٹک رہا ہے میرے دل میں

ہر راہ میں شب خوں ہی دیکھا میں نے

انسان کو مطعون ہی دیکھا میں نے

وہ دشمنِ عقل ہو کہ دارائے خرد

دیکھا جسے مجنوں ہی دیکھا میں نے

ہر علم کو یاں قلیل پایا میں نے
ہر راہ کو بے دلیل[1] پایا میں نے
"اللہ" کی مخلوق پہ ڈالی جو نگاہ
انساں کو بہت علیل پایا میں نے

---

[1] راہبر

راحت کا بجز غم کوئی مفہوم نہیں
بہلے کس طرح دل یہ معلوم نہیں
"اللہ" کی مخلوق میں واللہ اے جوش
انساں سے بڑھ کر کوئی مظلوم نہیں

کیوں علم جہالت میں پھنساتا ہے مجھے

خود تو بڑھتا ہے اور گھٹاتا ہے مجھے

جتنا جتنا اُبھر رہا ہے خورشید

اُتنا ہی اندھیرا نظر آتا ہے مجھے

اِک ذرّۂ ناچیز کو انجم سمجھا

اک موجِ خفیف کو تلاطُم سمجھا

اِس علمِ قلیل کو کہ ہے صرف اِک بُوند

افسوس کہ جاہلوں نے قُلزُم سمجھا!

پامالِ خزاں، طرب کا گلشن ہو جائے

رنگین سرشکِ خوں سے دامن ہو جائے

سب دل کی تمنّائیں نکل جائیں اگر

اِنسان کو زندگی اجیرن ہو جائے

اِک قلعۂ سِحر ہوا ہے، اور کچھ بھی نہیں

تحلیل کا سِلسلہ ہے، اور کچھ بھی نہیں

کہتا ہے جسے فخر سے انساں "یقیں"

اِک وہم کا ارتقا ہے، اور کچھ بھی نہیں

نسلِ آدم میں کوئی معصوم نہیں
احساس کسی قلب میں معدوم نہیں
اُس فیضِ ازل سے جس کو کہتے ہیں گناہ
صد شکر کہ اک فرد بھی محروم نہیں

دامن کو ہمیشہ[۱] نم کیا کرتا ہے
دریا تری آنکھوں سے بہا کرتا ہے
یکمشت اجل کو جان دینا بہتر
مرتا ہے باقساط، یہ کیا کرتا ہے؟

۱؎ حضرت فانی بدایونی خاص طور سے ملاحظہ فرمائیں

اِک آگ سی رہ رہ کے بھڑکتی ہے ضرور
سینے میں کلی سی اِک چٹکتی ہے ضرور
واقف نہیں میں "خدا" سے، لیکن اکثر
دل میں اِک پھانس سی کھٹکتی ہے ضرور

مقصودِ کمال کیا ہے، کس سے پوچھوں
تعبیرِ زوال کیا ہے، کس سے پوچھوں
دانا مبہوت ہیں، پیمبر خاموش
ہستی کا مآل کیا ہے، کس سے پوچھوں

جس وقت جھلکتی ہے مناظر کی جبیں

راسخ ہوتا ہے ذاتِ باری کا یقیں

کرتا ہوں جب انساں کی تباہی پہ نظر

دل پوچھنے لگتا ہے "خدا" ہے کہ نہیں؟

ساغر ہے ازل کے دن سے خالی تیرا

گلشن ہے رہینِ پائمالی تیرا

افسوس کہ اس دہر میں اے نوعِ بشر

وارث نظر آتا ہے نہ والی تیرا

للّٰہ، مُنہ آنسوؤں سے دھو لینے دے

رُومال کو اشکوں سے بھگو لینے دے

اِنسان اور انسان کی مجبوری پر

جی کھول کے اے ندیم! رو لینے دے

کھِلتے ہی گلاب، خار ہو جاتا ہے

ہنستے ہی بس اشکبار ہو جاتا ہے

پیدا ہوتے ہی تیرے قسمتِ انساں

اے موت! ترا شکار ہو جاتا ہے

چلتا نہیں دیکھتی ہے جادو اپنا
رہتی ہے بدل بدل کے زانو اپنا
بپھری ہوئی موت سے حیاتِ انساں
چلتی ہے بچا بچا کے پہلو اپنا

دل نشّے میں ہے غرقِ سجود اے ساقی!
ہے دوشِ ہوا پہ بوئے عود اے ساقی!
شاہد، خوشبو، نماز ہر شے ہے بہم
ہاں بھیج محمد پہ درود اے ساقی!

خود اپنے ہی دائرے سے باہر ہو جاؤں
اپنی ہی نگاہِ خیر میں شر ہو جاؤں
ہر پیش ہے وہ مقامِ قُربِ کامل
اب یاد کروں اُنہیں تو کافر ہو جاؤں

یہ نارِ جہنّم یہ سزا کچھ بھی نہیں!
یہ دغدغہ روزِ جزا کچھ بھی نہیں
اللہ کو "قہّار" بتانے والو!
اللہ تو "رحمت" کے سوا کچھ بھی نہیں

اِس دہر کا بلند و پست دیکھو گے اگر

شانِ فتح و شکست دیکھو گے اگر

ہو جائے گی سطحِ ذہن خود سے ہموار

دُنیا کے بلند و پست دیکھو گے اگر

کِس مُنہ سے کہوں کہ راہ پیما ہوں میں

قادر ہوں عمل پہ کارفرما ہوں میں

دریا کے اشاروں پہ جو چلتا ہے سدا

امواجِ حوادث کا وہ تنکا ہوں میں

قدسی سب اِن سے کہ چکے ہیں گویا
اسرار کی آنچ سہ چکے ہیں گویا
اسماؤ صفات کے گِنانے والے
صُحبت میں خُدا کی رہ چکے ہیں گویا

اَوجِ زاہد کو پست پایا میں نے
اوہام کا بندوبست پایا میں نے
خالق کو تشخص کا کیا ہے پابند
مومن کو بھی بُت پرست پایا میں نے

اس بزمِ خیال میں ٹھہرنا بھی فریب
اس راہِ توہّم سے گزرنا بھی فریب
واللہ کہ اس منزلِ آب و گل میں
جینا بھی ہے اک فریب مرنا بھی فریب

ہر شے میں نہاں خیر کا جوہر دیکھ
ہر خار کے پردے میں گلِ تر دیکھا
جب چاک کیا ذرّۂ تاریک کا دل
خورشیدِ ازل کو جلوہ گستر دیکھا

ہندو نے اگر علم کا مندر چھوڑا
مُسلِم نے بھی راستی کا مِنبر چھوڑا
پنڈت نے اگر بنا دیا بُت کو خُدا
مُلّا نے خُدا کو بُت بنا کر چھوڑا

ہاں فردِ عمل سیاہ کرتا ہوں میں
ہر سانس میں سو گُناہ کرتا ہوں میں
اِس پہ بھی ہوں قُدسیوں سے بڑھ کر معصُوم
فطرت! تجھ کو گواہ کرتا ہوں میں

حُسن و عشق

جلوؤں کی ہے بارگاہ میرے دل میں
غلطیدہ ہے مہر و ماہ میرے دل میں
اِس دورِ خرد میں عشق گم ہو جاتا
ملتی نہ اگر پناہ میرے دل میں

(مصنّف)

واقعات پردے میں ہیں اور واردات کاغذ پر۔
کس میں "واقعات" بیان کرنے کی ہمت ہے، کہ
"واردات" کی نقاب اُٹھ جائے؟

مچھلیاں زیرِ آب ہیں، اور حلقے سطحِ آب پر
کس میں غوطہ لگانے کی طاقت ہے کہ مچھلیوں
کا آب و رنگ معلوم کرے؟

افسوس یہ سِن، یہ بدحواسی تیری

دل ہی نہیں، رُوح بھی ہے پیاسی تیری

ہنستی ہے تو مُنہ اُترنے لگتا ہے ترا

کس درجہ مکمّل ہے اُداسی تیری

پابندِ ہراس کیوں ہے؟ تیرے قُرباں

آشفتہ حواس کیوں ہے؟ تیرے قُرباں

تجھ پر تو ہے انبساطِ عالم کا مدار

تو اِتنی اُداس کیوں ہے؟ تیرے قُرباں

یوسف کے کلیجے کو مسلتی تھی کبھی
ہاں مصر میں یہ نسیم چلتی تھی کبھی
وہ لہر گزر رہی ہے تیرے رخ سے
جو روئے زلیخا پہ مچلتی تھی کبھی

الفاظ میں غلطیدہ ہے جادو گویا
آواز بدل رہی ہے پہلو گویا
لہجے کا ترے درد، عیاذاً باللہ
لفظوں سے ٹپک رہے ہیں آنسو گویا

کیا عشق کا بھی اثر ہے، اللہ اللہ

اپنے سے وہ بے خبر ہے، اللہ اللہ

کونین کے زانو کو ہے ارماں جس کا

قدموں پہ مرے وہ سر ہے، اللہ اللہ!!

دل سینۂ نازک میں مچل جاتا ہے

چشمہ تری آنکھوں کا اُبل جاتا ہے

اللہ رے سوزِ غم کہ میرے آگے

پھولوں کا ترے رنگ بدل جاتا ہے

اے شدّتِ غم سے جان کھونے والی

اشکوں میں جوانی کو ڈبونے والی

حاصل ہو تجھے خندۂ صُبحِ عشرت

اے پردۂ شب میں گھٹ کے رونے والی!

نغمے ترے برباد ہوئے جاتے ہیں

گُل گشتہ بیداد ہوئے جاتے ہیں

راتیں یہ جوانی کی مُرادوں کے یہ دن

افسوس کہ برباد ہوئے جاتے ہیں

کہنا یہ ترا پسند سے آئی ہے

راتوں کو طبیعت اور گھبراتی ہے

اُف سیج کے نامراد پھولوں کی مہک

ہر سانس میں اک پھانس سی چُبھ جاتی ہے

رُخ پر ہے ترے قلبِ تپاں کا پَرتَو

ماتھے پہ ہے آتشِ نہاں کا پَرتَو

غلطاں ہے اُداسی یہ تری آنکھوں میں

یا نہر میں ہے ابرِ خزاں کا پَرتَو

اُٹھتی ہی نہیں شدّتِ حرماں سے نگاہ

بنتی ہی نہیں بنائے سے زُلفِ سیاہ

تُو اتنی بلا میں، اور میں یُوں مجبُور!

یا یارِ الٰہ، یا خُدا، یا اللہ!!

آوارہ میں غلطاں ہیں نگاہیں گویا

گردن میں مِری ہے تیری باہیں گویا

اِس کرب سے اُٹھ رہی ہیں نیچی نظریں

آنکھوں سے نکل رہی ہیں آہیں گویا

ارماں تھے وہ کیا نگارِ دلِ جُو تیرے؟

مجرُوح تھے کروٹوں سے پہلو تیرے

اب لاؤں کہاں سے میں وہ راتیں افسوس؟

بہتے تھے مرے لئے جب آنسو تیرے

وہ زردیٔ رُخ، وہ ناتوانی تیری

ہے ہے وہ خموش نوحہ خوانی تیری

راتیں وہ تجھے یاد ہیں؟ جب میرے لئے

سونے کو ترستی تھی جوانی تیری

انگارا تِرا دہک رہا تھا ظالم
کوندا رُخ پر لپک رہا تھا ظالم
افسوس وہ عہدِ شوق جب دِل میرا
سینے میں ترے دھڑک رہا تھا ظالم

رگ رگ میں بسی ہے تیری خوشبو اب تک
واللہ تھمے نہیں ہیں آنسو اب تک
اے رشکِ چمن! جدھر بٹھایا تھا تجھے
ویران ہے اُس دن سے وہ پہلو اب تک

کیا دَور تھا وہ اے بُتِ پُرفن تیرا

دیتا تھا مجھے ہوا میں دامن تیرا

ہے ہے وہ زمانہ، کھیلتا تھا پہروں

جب میری جوانی سے لڑکپن[1] تیرا

[1] اس لفظ کو میں لڑکی اور لڑکے دونوں کیلئے استعمال کئے جانے میں مضائقہ نہیں سمجھتا۔

آجا، مرتا ہوں غم کے مارے آجا

بھیگی ہوئی رات کے ستارے آجا

اے شام کا وعدہ کر کے جانے والے

اب ڈوب رہے ہیں دیکھ تارے، آجا

ہے صبحِ اُفق سے جگمگانے والی

وعدے پہ ہے اُن کے مسکرانے والی

جا پچھلے پہر کے چاند! اُن سے کہہ دے

اب رات ہے دو گھڑی میں جانے والی

پھر صبر کی تلخ مے پیئے لیتے ہیں

پھر اپنا گریباں سیئے لیتے ہیں

کل ملنے کا وعدہ ہے تو خیر او ظالم

ہم اور بھی ایک دن جیئے لیتے ہیں

وہ آئے، ہمیں جی سے گزرنا ہی پڑا

جب عذرِ جفا سُنا تو مرنا ہی پڑا

با وصفِ ملال و پاسِ ناموسِ جُنوں

وہ ہنس کے بڑھے تو سجدہ کرنا ہی پڑا

اے رونقِ لالہ زار! واپس آجا

اے دولتِ برگ و بار واپس آجا

ایسے میں کہ نو بہار ہے خُلد بدوش

اے نازشِ نو بہار! واپس آجا

یہ صبحِ خنک آئینہ گر ہے گویا

ہر خارِ زبوں اک گلِ تر ہے گویا

چہرے کا مرے گریۂ شب ہے یہ رنگ

برسی ہوئی رات کی سحر ہے گویا

کشتی مرے احساس کی کھیتا ہے کوئی

ہر سانس میں پیغام سا دیتا ہے کوئی

یارب! وہ کبھی زینتِ پہلو بھی بنے

یہ دل میں جو کروٹیں سی لیتا ہے کوئی

ٹپکائی ہوئی گھٹا جب آنسو آئی
فرقت کا جگائی ہوئی جادو آئی
ہلکا ہلکا دھواں کلیجے سے اٹھا
سوندھی سوندھی زمیں سے خوشبو آئی

سانچے میں گھٹا کے ڈھل رہا ہے کوئی
پانی کے دھوئیں میں جل رہا ہے کوئی
گردوں پہ ادھر جھوم رہے ہیں بادل
سینے میں ادھر مچل رہا ہے کوئی

برسات ہے دل کو ڈس رہا ہے پانی

فرقت میں تری جھلس رہا ہے پانی

دِل میں کبھی چُبھتا ہے کلیجے میں کبھی

آڑا ترِچھا برس رہا ہے پانی

بہلانے سے دم بھر نہ بہلتا ہوگا

دل حُسن کا چٹکیوں میں مَلتا ہوگا

اے نالۂ شبگیر! خُدا را تھم جا

بِستر پہ وہ کروٹیں بدلتا ہوگا

میں رات گئے اُٹھا ہوں سوتے سوتے

آنکھوں کا بُرا حال ہے روتے روتے

تارے کے قریب ماہِ نَو ہے، اے کاش

اِس وقت مرے قریب تُم بھی ہوتے!

وہ دیکھتے، اور سِسکیاں ہم بھرتے

حسرت ہے کہ قدموں پہ کِسی کے مرتے

اے بادِ صبا! ملیں تو اُن سے کہنا

مُدّت ہوئی انتظار کرتے کرتے!

ناگن بن کر مجھے نہ ڈسنا بادل!

باراں کی کسوٹی پہ نہ کسنا بادل!

وہ پہلے پہل جُدا ہوئے ہیں مجھ سے

اس دیس میں آ کے نہ برسنا بادل!

پُر شور ہوائیں ہیں، گھٹا ہے گُمراہ

دریا بہکا ہوا ہے، موجیں ہیں سیاہ

اِک آنچ ہی ہے دل کے قریب اور وہ دور

تقدیر کا اور یہ ظلم اللہ اللہ

نکلی لبِ گُل سے "آہ" خوشبو بن کر

سر میں آئی رمیدہ آہو بن کر

سر سے گئی دل میں اُن کی تصویر لئے

تصویر ٹپکنے لگی آنسو بَن کر

ہر آن ہوا ستائے جاتی ہے مجھے

پانی کی جھڑی رُلائے جاتی ہے مجھے

گاتی ہوئی یہ گھٹا، یہ بھیگی ہوئی رات

تُو پاس نہیں تو کھائے جاتی ہے مجھے

ہر دل، ہمہ تن جوش نظر آتا ہے

آشفتہ و مدہوش نظر آتا ہے

اے نازشِ کائنات! تیری خاطر

آنکھوں میں آغوش نظر آتا ہے

دِل عُقدۂ مُشکل کو دُعا دیتا ہے

ہر ضربتِ کامل کو دُعا دیتا ہے

ہاں کون ہے مقتولِ محبّت کے سوا

جو بازوئے قاتل کو دُعا دیتا ہے

اے ابرِ سحر کو گھیر کے آنے والے
خورشید کو ظُلمت میں چھپانے والے
اب تک مرے پہلو میں ہے وہ پیکرِ ناز
قُرباں ترے، عمرِ شب بڑھانے والے

چونکا ہے کوئی نگار، الٰہی توبہ
رَس میں ڈوبا خُمار، الٰہی توبہ
سکتے میں ہیں بھیرویں کی تانیں گویا
ہونٹوں کا خفیف اُبھار، الٰہی توبہ!

صحرا میں چھُری سی دل پہ چل جاتی ہے

ہر سانس کلیجے کو مَسل جاتی ہے

حیراں ہوں کہ کس طرح گُلوں کی "خوشبو"

"رخسارۂ جاناں" میں بدل جاتی ہے

گلشن میں کہاں سے یہ اثر آتا ہے؟

تخیّل کا ہر نقش اُبھر آتا ہے

اوڑھے ہوئے ہلکی سی دُلائی کوئی شوخ

خوشبو میں چنبیلی کی نظر آتا ہے

آلام سے ہے نجات میرے دل کو

چھوتی نہیں کائنات میرے دل کو

رہتا ہے جو پردۂ تغافل میں نہاں

حاصل ہے وہ التفات میرے دل کو

جنّت کی کھلی ہے راہ میرے دل میں

ہر داغِ وفا ہے ماہ میرے دل میں

ہوتی نہیں جو کم نگہی سے محسوس

پیوست ہے وہ نگاہ میرے دل میں

گردن میں مری پڑی نہ باہیں تیری
ہونٹوں سے نکل سکیں نہ آہیں تیری
واللہ کہ اب مجھ پہ جہنم ہے حرام
ہنگامِ سفر ہائے نگاہیں تیری

میداں میں ہے جھٹپٹے کی بوجھل خوشبو
گردوں پہ شفق بدل رہی ہے پہلو
اک آن میں آگ ہو تو اک آن میں خاک
کیا جانئے اس وقت ہے کس حال میں تو؟

پھر دل میں خوشی کا راج دیکھا میں نے
پھر فرقِ جنوں پہ تاج دیکھا میں نے
پلٹے جو سفر سے تم تو اک عمر کے بعد
اپنی جانب پھر آج دیکھا میں نے

ظاہر میں کدورت ہے، صفائی ہے یہی
ٹھکراتا ہے دل کو، دلربائی ہے یہی
بیگانہ روشی پہ یارِ شاطر کی نہ جا
نادان! کمالِ آشنائی ہے یہی!

ہر صبح، شکستہ حال پاتی ہے مجھے
ہر موجِ صبا، خون رُلاتی ہے مجھے
تھم تھم کے سحر کو چہچہاتے ہیں طیور
رہ رہ کے کسی کی یاد آتی ہے مجھے

کچھ بُعدِ زماں ہے نہ مکاں، اے دمساز
جب جان لیا قُربِ محبوب کا راز
اب ایک نفس کی بھی نہیں ہے فرقت
اے سلسلۂ ہجر! تری عمر دراز!

نقشِ فرقت اُبھار دے گا دل پر

سارا غصّہ اُتار دے گا دل پر

اِس ڈر سے اُٹھاتا نہیں آنکھیں سوئے ماہ

دیکھوں گا تو ڈنک مار دے گا دل پر

یہ شامِ فراق، یہ سیاہی توبہ

اِک جان اور اِس حد کی تباہی توبہ

وہ بوجھ ہے سر پہ کہ عیاذاً باللہ

وہ ٹیس ہے دل میں کہ الٰہی توبہ!

جانے والے قمر کو روکے کوئی
شب کے پیکِ سفر کو روکے کوئی
تھک ہار کر مرے زانو پہ وہ سویا ہے ابھی
روکے، روکے، سحر کو روکے کوئی!

اے حُسن ٹھہر، آگ بھڑک جائے گی!
صہبا تری، ساغر سے چھلک جائے گی
مجھ کو تو یہ ڈر ہے کہ دُلائی کیسی
انگڑائی جو لی، جلد مسک جائے گی

مایوس ہوں، ذوقِ خوشدلی کی سوگند
ہر سانس ہے موت، زندگی کی سوگند
ہر چیز نظر آتی ہے دُھندلی دُھندلی
فُرقت کی اُداس چاندنی کی سوگند

کیا آج تعارف میں لجایا کوئی
کیا جانیے کیوں سنبھل نہ پایا کوئی
میں نے جو کہا "جوشؔ مجھے کہتے ہیں"
آنکھوں کو جُھکا کے مُسکرایا کوئی!

لازم ہے دوا ہی، نہ دعا یاد رہے
ہاں لعلِ لب و زلفِ رسا یاد رہے
حقّا کہ یہ ہے نوعِ بشر کی توہین
گر عہدِ جوانی میں خدا یاد رہے

فقروں کی یہ تازگی، یہ لہجے کی بہار
قربان ترے اے نگارِ شیریں گفتار
اللہ رے کھنکتی ہوئی آواز تری
چینی پہ ہو جیسے اشرفی کی جھنکار

اللہ رے بدمست جوانی کا نکھار
ہر نقشِ قدم پہ سجدہ کرتی ہے بہار
اس طرح وہ گامزن ہے فرشِ گُل پر
پڑتی ہے ہری دُوب پہ جس طرح پھوار

کیوں بال ہیں اس طرح پریشاں تیرے
کس غم سے ہیں نم دیدۂ حیراں تیرے
جس طرح کسوٹی پہ ہوں سونے کے خطوط
یُوں رُخ پہ چھلکتے ہیں ارماں تیرے

فریاد، رگوں سے دم کھنچا جاتا ہے
دل ہجر میں بیٹھا ہی چلا جاتا ہے
چھٹنے ہی پہ نبضیں ہیں اُکھڑنے ہی پہ سانس
اللہ! یہ کیا جی کو ہوا جاتا ہے؟

گھیرے رہو میرے غمگسارو مجھکو
میں ڈوبنے والا ہوں اُبھارو مجھکو
فرقت کی ابھی ہیں ابتدائی راتیں
خلوت میں نہ بیٹھنے دو یارو مجھکو

آں قوم کہ سجادہ پرستند خرند
زیرا کہ بزیرِ بارِ سالوس درند
ویں از ہمہ طرفہ تر کہ در پردۂ زہد
اسلام فروشند و ز کافر بترند

(خیّام)

قبروں پہ مُریدوں کو جُھکاتے رہیے

ڈھولک پہ سفیہوں کو نچاتے رہیے

اللہ اگر رُوٹھ رہا ہے رُوٹھے

کیا اِس سے غرض عرس مناتے رہیے

(مصنّف)

پُر ہول شکم، عریض سینے والو
خُوں، قومِ تہی دست کا پینے والو
تم اہلِ خرد سے کیوں نہ رکھو گے عناد
خیرات پہ احمقوں کی جینے والو

عُشّاق کریں ضعف سے آہیں کیونکر
بیٹھا ہو جو دل، اُٹھیں نگاہیں کیونکر
حیرت ہے مگر کہ عاشقانِ حق پر
کُھل جاتی ہیں فقر ہی کی راہیں کیونکر؟

عبرت کی نظر سے آستانے دیکھو

جاری ہیں ریا کے کارخانے دیکھو

شیطان کی انگلیوں میں گردش کرتے

زہّاد کی تسبیح کے دانے دیکھو

اے شیخ کبھی تو رنج اُٹھایا ہوتا

اِس دل پہ کبھی تو زخم کھایا ہوتا

اِس طرح لگاتا نہ ادم ضربیں

بابا! دل اگر کہیں لگایا ہوتا

مجرم ہیں ہمیں سزائیں دینے والے

طوفان ہیں خود سفینہ کھینے والے

واللہ کہ اک وبا ہیں بندوں کے لئے

ظاہر ہیں خدا کا نام لینے والے

نیکی کی ہمیں راہ بتاتے رہئے

اللہ سے ہر آن ڈراتے رہئے

پینے والوں کو کہتے رہئے بے دین

اور شوق سے مالِ غیر کھاتے رہئے

وہ رشتۂ تسبیح ہیں، ہم پھندے ہیں

ہر عیب سے وہ پاک ہیں، ہم گندے ہیں

دیکھو وہ نکل رہے ہیں مسجد سے شیوخ

گویا وہ خدا ہیں، اور ہم بندے ہیں

کیا کہیے تحیّر کی فراوانی ہے

ناقابلِ شرح دل کو حیرانی ہے

سنتے ہیں گنہ سے دور رہتے ہیں شیخ

جتنا بھی ہے، اور شکل بھی انسانی ہے

ہم دیکھ کے مہوشوں کو کیا کہتے ہیں؟
اِتنا ہی کہ بس "حَسَلِ آلِ علی" کہتے ہیں
لیکن یہ غُلامِ زر، بہ ایں رنشِ دراز
موقع ہو تو ہر بُت کو "خُدا" کہتے ہیں

افسوس تجھے پیر دُغا دیتے ہیں
کب تیری عقیدت کا صلا دیتے ہیں
مُنعِم! یہ تجھے نہیں لگاتے ہیں گلے
سینے سے تری جَیب لگا لیتے ہیں

ہے ریش کو اذن لہر کھاتی جائے

شفاف اُفق پہ دل کے چھاتی جائے

جتنی جتنی بڑھے درازی اِس کی

اُتنا ہی گُتّا ہول کو بڑھاتی جائے

اِتنا ہی نہیں کہ جب دُعا دیتے ہیں

اِنساں ہی کو دھوکے میں پھنسا دیتے ہیں

یہ پیر تو ہر روز صفیں باندھ کے جوش

خود حضرتِ حق کو بھی دغا دیتے ہیں

ہر رنگ میں ابلیس سزا دیتا ہے

انساں کو بہر طور دغا دیتا ہے

کر سکتے نہیں گُنہ جو احمق — اُن کو

بے رُوح نمازوں میں لگا دیتا ہے

آنکھوں میں لیے ہوئے "انا" بیٹھا ہے

مسند پہ بصد فخر تنا بیٹھا ہے

"عصمت" کو جہاں ہے اعترافِ عصیاں

اُس بزم میں معصوم بنا بیٹھا ہے!

قطرے میں تڑپ رہا ہے جیحوں گویا

جنبش میں ہے فسرہی کا افسوں گویا

زاہد! ترے بھیس میں بہ شکلِ انساں

غلطاں ہے زمیں پہ گنجِ قاروں گویا

جنّت کے مزوں پہ جان دینے والو

گندے پانی میں ناؤ کھینے والو

ہر خیمہ پہ چاہتے ہو ستّر حوریں

اے اپنے خدا سے سود لینے والو

اے شیخ! نہ مجھ سے پُوچھ حالت میری

دُنیا سے نرالی ہے طبیعت میری

تشویشِ ممات ہے تری صوم و صلوٰۃ

تعمیرِ حیات ہے عبادت میری

ہر جُرم ہے پُوچ، اُن کی خطا کے آگے

کِس مُنہ سے یہ جائیں گے خُدا کے آگے

واللہ کہ معصُوم ہیں رِندانِ خراب

اِن زہد فروش اولیا کے آگے

پیرانِ حرم صیدِ گنہگاری ہیں
سترّ یا لیفت حرم غرقِ ریا کاری ہیں
زہّاد سے اور وجودِ باری کا سوال!
یہ لوگ تو "منکرانِ اقراری ہیں"

اے شیخ! بلندیٔ نظر ہے طاعت
تسخیرِ قوائے بحر و بر ہے طاعت
محرابِ فتادگیٔ اِنساں کے خطیب!
اعلانِ بزرگیٔ بشر ہے طاعت

خمریات
آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما
کہ اے رندِ خراباتیِ دیوانۂ ما
برخیز کہ پر کنیم پیمانہ ز مے
زاں پیش کہ پر کنند پیمانۂ ما
(خیام)

خیّام کے نام

ہشیار! کہ آفتاب ہونا ہے تجھے
پیغمبرِ انقلاب ہونا ہے تجھے
ہر صبح کو آتی ہے یہ ساقی کی صدا
بیدار! کہ خود شراب ہونا ہے تجھے

گردوں پہ ہے صبح کی جھلک اے ساقی
اودی سی گھٹا ہے دور تک اے ساقی
پڑتی ہے پھوار، ارغنوں لے، مے دے
پتّوں پہ ہے بوندوں کی کھنک اے ساقی

ساقی! غمِ بیش و کم سے ڈرنا کیوں ہے؟

میں رندِ بلا نوش ہوں، ڈرتا کیوں ہے؟

تو کون و مکاں کو رکھ دے شانے پہ مرے

اور میں کہوں رکھ مذاق کرتا کیوں ہے؟

گلشن کی روش پہ مسکراتا ہوا چل

بدمست گھٹا ہے، لڑکھڑاتا ہوا چل

کل خاک میں مل جائیگا یہ زورِ شباب

جوش آج تو پائیں دکھاتا ہوا چل

مرنے پہ نویدِ جاں ملے، یا نہ ملے

یہ کُنج، یہ بوستاں ملے یا نہ ملے

پینے میں کسر نہ چھوڑ، او خانہ خراب

معلوم نہیں وہاں، ملے یا نہ ملے

ہر شمع کو شمعِ طُور کر دے ساقی

آ ظلمتِ شب کو نُور کر دے ساقی

ہر چیز کی دُور سے ہے دُنیا میں بہار

کونین کو مجھ سے دُور کر دے ساقی

"اوہام" و "یقین" میں فرق کر دے ساقی

آ، ذہنِ رسا کو برق کر دے ساقی

اِس وسوسۂ ارض و سما کو لِلّٰہ

اُٹھ، رطلِ گراں میں غرق کر دے ساقی

تقریر کے وقت کیوں نہ بولوں ساقی

کیوں دل کی گرہ مے سے نہ کھولوں ساقی

"برباد" تو ہونا ہے بہر حال مجھے

دے جام کہ "آباد" تو ہو لوں ساقی

میداں میں ہیں جھٹپٹے کے بادل ساقی
بجنے ہی پہ ہے رعد کی چھاگل ساقی
بھر دے مرے پیمانۂ زرّیں میں شراب
قبل اس کے کہ ابر بھر دے جل تھل ساقی

ہاں دیکھ تو یہ لاف گزاف اے ساقی
یہ بات ہے کس درجہ خلاف اے ساقی
"اللہ" کے معصوم گنہگاروں کو
"بندے" نہیں کرتے ہیں معاف اے ساقی!

طغیانِ زوال بھی دکھا دے مجھ کو
عصیاں کا مآل بھی دکھا دے مجھ کو
سوگند جمال کی، نہ چھوڑوں گا شراب
اے شانِ جلال بھی دکھا دے مجھ کو

مفلوج ہر اصطلاحِ ایماں کر دے
فردوس کو رہنِ طاقِ نسیاں کر دے
ساقی ہے، مغنّی ہے، چمن ہے، مے ہے
اِس نقد پہ سو اُدھار قرباں کر دے

ساقی کا بہ ہر رنگ نظارا کر لوں

مرتے مرتے بھی اِک اشارا کر لوں

آدم کا میں ناخلف ہوں فرزند اے جوشؔ

عصیاں سے اگر کبھی کنارا کر لوں

ساقی! قدحِ بادۂ گلگوں للہ!

حلقے میں لئے ہوئے ہے دل کو شبِ ماہ

میں، اور تصورِ بہشت و کوثر!!

لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ

یہ وقت ہے وقتِ ہاؤ ہُو اے ساقی

برسات ہے عرقِ رنگ و بُو اے ساقی

دے جامِ زر اُس وقت کی تجھ کو سوگند

جس وقت نہ میں ہوں گا نہ تُو اے ساقی

دریا کا شبِ مہ میں جھلکنا ہے یہ

رُخسارۂ ساقی کا جھمکنا ہے یہ

ساحل پہ دہکتے ہوئے پیمانے سے

پگھلے ہوئے سونے کا چھلکنا ہے یہ!

کیا فائدہ شیخ! تجھ سے کہنے میں مجھے

خشکی میں تجھے لطف، سفینے میں مجھے

عیّاش تو دونوں ہیں مگر فرق یہ ہے

کھانے میں تجھے مزا ہے پینے میں مجھے

ہم دونوں ہیں اے فقیہہ دیوانے سے

مطلب ہے فقط دل کے بہل جانے سے

ہر شام و سحر کرتے ہیں عیّاشی ہم

تو ظرفِ وضو سے، اور میں پیمانے سے

ہاں، زُہد یہاں رنگ جمائے تو سہی
اِس جام پہ اِس رات پہ چھائے تو سہی
"باطن" ہے یہاں ہر ایک "ظاہر" کا عیاں
اِس وقت قہقہہ بھر آئے تو سہی

آئی ہے گھٹا مست بنائے گی ہمیں
افلاک پہ جھُولے سے جھُلائے گی ہمیں
ساقی! نہ رُکے ہات کہ دم بھر میں یہ رُت
ڈھونڈے گی بہت، مگر نہ پائے گی ہمیں

ہشیار! کہ پھر ابر نہ چھا جائے گا کبھی

یہ کُنج، یہ بوستاں نہ پائے گا کبھی

بھُولے سے جو بخشا ہے مشیّت نے تجھے

یہ لمحہ پلٹ کے پھر نہ آئے گا کبھی

یہ کس کا تبسّم ہے فضا میں ساقی!

یہ کس کی جوانی ہے گھٹا میں ساقی؟

یہ کون بجا رہا ہے شیریں بربط

بھیگی ہوئی بارش کی ہوا میں ساقی؟

یہ زمزمہ، یہ کیفِ عقیقِ سیّال

یہ وقت سے آزاد، ابدیّت کا جمال

مبہوت ہوا ہے روحِ فریبِ مہ وسال!

معدوم ہوا ہے ماضی و مستقبلِ و حال!

جاری ہی اس وقت ہے بصد گردشِ جام

معمورۂ ارواح سے پیغام و سلام

شق ہو گئے گنبدِ طلسمِ ظلمات!

لو دیکھے اے وجہِ ذوالجلال والاکرام!!

مسند پہ مری رباب رکھ دے ساقی

بھر کر قدحِ شراب رکھ دے ساقی

گُل کر کے چراغِ علم و دانش للہ

اس طاق میں آفتاب رکھ دے ساقی

مجروح نہ کر لطف کے اوقات اے دل

تشویش مآل ہے خرافات اے دل

رونا ہے کہ وقتِ صبح رونا ہوگا

خاموش! کہ باقی ہے ابھی رات اے دل

اِنفاسِ حیات ہوں نہ گندے ہشیار

تاچند یہ بیش و کم کے دھندے؟ ہشیار

میخانہ بھرا ہوا ہے اور عمر ہے کم

ہشیار رہو' اے خُدا کے بندے! ہشیار

ساقی! مجھ کو رواں دواں جانا ہے

اِس بزم سے کُل کشاں کشاں جانا ہے

بہتر ہے کہ پہلے ہی سے جاتے رہیں ہوش

جب یہ نہیں معلوم کہاں جانا ہے

ہر آن جگا رہی ہے قدموں کی صدا

کونین پہ چھا رہی ہے قدموں کی صدا

دے جام کہ بڑھتی ہی چلی آتی ہے موت

ہر سانس میں آ رہی ہے قدموں کی صدا

ساقی! کوئی اس سے بڑھ کے ہوگی نہ بدی

خود دیکھ کہ حالت ہے مری کتنی ردی

اک آن کو تو نے ہات روکا مے سے

اور غم کی یہاں گزر گئی ایک صدی

دریا میں ہے چاند سے تلاطم ساقی

غلطاں ہے سبو میں عکسِ انجم ساقی

اس وقتِ وفا کے آنسوؤں کی سوگند

صرف ایک نگاہ، اک تبسّم ساقی

بیزار ہیں کیوں تجھ سے زمانے والے

اے شاہدِ وعدہ سے لو لگانے والے

اللہ قبول کو تجھے یہ مقبول کر دے

منہ پھیر کے اے حرم سے جانے والے

تاخیر نہ کر اے ساقیِ شیریں حرکات

ناقے کی طرف رواں ہے لیلائے حیات

اِک، ساقیِ کوثر کے تصدّق، اِک جام

اب پاؤں رکاب میں ہے، اور باگ پہ ہات

ہے اوج ہی اوج پیش و پس، اے ساقی

باقی نہیں اب کوئی ہوس، اے ساقی

یہ طے ہوا آسمان — ساغر ہو توقف

وہ آگیا بابِ عرش — بس اے ساقی

کل رات کو اک مُغبچۂ بادہ فروش

ہنگامۂ رقص میں بصد جوش و خروش

یوں گرمِ سرود تھا کہ اے شاعرِ جوش

یک قطرۂ "جنون" گراں ز صد قُلزمِ "ہوش"

پروا ہے کسے، دہر اگر ہے خُوں ریز

اِک جَو برابر بھی نہیں خوف انگیز

تو ساتھ اگر ہے تو جہنّم بھی ہے خُلد

اے بادۂ کہنہ و نگارِ نوخیز

جو غم کو نہ دیکھے وہ نظر دے ساقی

انگور سے دل کے زخم بھر دے ساقی

قائل ہے کوئی چیز تو احساسِ لطیف

اس تیغ کی باڑھ کند کر دے ساقی

اچھی نہیں یہ دراز دستی، خاموش

انصاف سے دیکھ اپنی پستی، خاموش

یہ شور و شغب، بادہ پرستی کے خلاف

خاموش ہو، عہدِ نے پرستی! خاموش!!

دے جام کو ٹوٹے یہ سکوت، اے ساقی
دعوے ہیں فنا کے لیے ثبوت، اے ساقی
"موجود" کبھی ہو نہیں سکتا معدوم
ہر ذرّہ ہے حیّ ولا یموت، اے ساقی

یہ ولولہ، یہ شباب، اللہ اللہ
یہ نہر، یہ ماہتاب، اللہ اللہ
کل تک تو فقط شراب کا بندہ تھا میں
اور آج ہوں خود شراب، اللہ اللہ!

دیکھ آم کے پودوں کا شباب، اے ساقی

سُن موسمِ باراں کا رباب، اے ساقی

دُنیا کیا شے ہے، اور عقبےٰ کیسی؟

یہ فصل شراب ہے شراب، اے ساقی

گو میرا وجُود ہے میانِ عدمین

مجھ سے رہتی ہے رُوحِ عالم بیچین

کہتا ہوں جو "یا غفور" ہنگامِ صبُوح

ہلچل ہوتی ہے درمیانِ قطبین!

کرسی سے بلند ہے نشیمن اپنا
فردوس پہ خندہ زن ہے گلشن اپنا
تو کوثر و تسنیم کا چھوڑے گا نہ ذکر؟
اچھّا، تو نچوڑ دوں میں دامن اپنا؟

جی مے سے مرا بھر نہیں سکتا ساقی
ہستی سے کبھی ڈر نہیں سکتا ساقی
جب تک کہ ہے وجہِ ذوالجلالِ اکرام
واللہ کہ میں مر نہیں سکتا ساقی!

اس شہر میں اک میں ہی قدح خوار نہیں

مجھ سا لیکن کوئی سیہ کار نہیں

کہتے ہیں کہ کرتا نہیں کیوں دعوئ زہد

یعنی یہ خطا ہے کہ ریاکار نہیں

افسوس ہے اے عقل سے خالی دُنیا

وابستۂ ننگِ بے کمالی دُنیا

کیا تُو بھی ہے مستانہ خرامی کے خلاف؟

اے پیٹ کے بل رینگنے والی دُنیا!

دے جام کہ دُشوار ہے سونا ساقی

انسان پر آ رہا ہے رونا ساقی

مقصودِ عمل کیا ہے؟ حصولِ مقصد

مقصودِ حصول کیا ہے؟ کھونا ساقی

دے بادہ کہ ہو عقل معطّل ساقی

اک شے بھی نہیں یہاں مکمّل ساقی

تفصیل کی مملکت میں دل تنگ ہوں میں

اجمال کی سلطنت میں لے چل ساقی

انجامِ طرب کا ذکر کرتے کیوں ہو؟

پیمانۂ دل کو غم سے بھرتے کیوں ہو؟

تا چند یہ تشویشِ مآلِ ہستی؟

اک روز مرو گے، روز مرتے کیوں ہو؟

اب ہم سے بھی دُنیا میں کہاں ہیں ساقی

آنکھیں تری جانب نگراں ہیں ساقی

ہم کو نہیں آرزوئے تجدیدِ شباب

ہر جام میں سو جوانیاں ہیں ساقی

ہاں بارِ خرد، سر سے اُتارو، بہکو

مینھ زور سے پڑ رہا ہے یارو، بہکو!

برسو، برسو، سیہ گھٹاؤ! برسو

بہکو، بہکو، شراب خوارو! بہکو!

کس شان سے پڑ رہا ہے پیہم پانی

گردوں پہ اُڑ رہا ہے پرچم پانی

ہاں مُطربہ! ہاں، یونہیں چھماچھم للّٰلہ

گلشن میں برس رہا ہے جھم جھم پانی

رندی میں نہیں ہے کمِ نِگاہی ساقی

فرقِ منِ و شانِ کجِ کُلاہی ساقی

اللہ کا بندے سے تعلُّق ہے جہاں

واں گُم ہیں "اوامر" و "نواہی" ساقی

کیا کہیے سفینہ کھے سکوں گا کہ نہیں

ساقی! تُجھے داد دے سکوں گا کہ نہیں

دے جام کہ اِتنا بھی نہیں ہے معلوم

اِک اور بھی سانس لے سکوں گا کہ نہیں

ہر پھول کو سو جام پلانے والے

ہر ذرّے میں سو جشن منانے والے

کیوں آبِ نشاط و جامِ گُل ہے مقہور؟

اے عالمِ آب و گِل میں لانے والے!

اُٹھ، چھا گئے آسماں پہ بادل کالے

چل جھوم کے دریا کی طرف متوالے!

قبل اس کے کہ لگد زنی کرے پیکِ اجل

ساحل پہ ہواؤں کے تھپیڑے کھا لے

یہ زمزمہ، یہ نرت نہ رُکنے پائے

ساقی! یہ چلت پھرت نہ رُکنے پائے

حلقے سے بنا رہی ہیں بوندیں سرِ آب

اے دائرے والے! گت نہ رُکنے پائے

ممکن ہے کہ اب جشنِ خرابات نہ ہو

اِس رات کے بعد پھر کوئی رات نہ ہو

ٹھہرو ــــ کہ گلے تو مِل لیں، جانے والو!

ممکن ہے کہ اب کبھی مُلاقات نہ ہو

کیا شرحِ کتابِ زُہد و عصیاں کر دُوں؟

اضداد کی توجیہ نمایاں کر دُوں؟

کہتا ہے فقیہِ شہر مے کو "باطل"

کیا "حق" کے مجسّمے کو عُریاں کر دوں؟

صہبا میں سفینۂ دل کا کھے لوں ساقی

میخانے کو آب و رنگ دے لوں ساقی

قبل اِس کے کہ برہم ہو نظامِ انفاس

بے دَغدَغہ اِک سانس تو لے لوں ساقی

پی آتشِ تر، سوزِ نہانی کی قسم
جنگل میں برستے ہوئے پانی کی قسم
مہکائے نفس کو جوشؔ بوئے مے سے
بوئے لبِ گلرنگِ جوانی کی قسم

اے سہو کے حاملو! خطا کے بندو!
اے حرص کے حامیو! ہوا کے بندو!
تا چند بنے رہو گے یوں مرکبِ عقل؟
راکب بھی کبھی بنو خدا کے بندو!

دل کی بھی ہے طُرفہ رسم و راہ اے ساقی

تارا ہے کبھی، اور کبھی ماہ اے ساقی

ذرے بادہ کہ ہے اہلِ خرد کی منزل

مابینِ یقین و اشتباہ اے ساقی

اوروں کو بتاؤں کیا میں گھاتیں اپنی

خود کو بھی سُناتا نہیں باتیں اپنی

ہر ساعتِ خوش ہے مالِ مسروقۂ وقت

قدرت سے چھپا رہا ہوں راتیں اپنی

ہر آن جفا سے قلب ڈر جاتا ہے

ہر بات پہ آسمان بپھر جاتا ہے

کرتا ہوں اُسے مالِ غنیمت میں شمار

جو لمحہ فراغت سے گزر جاتا ہے

آیا تھا جو سامنے وہ عِفریت گیا

میں ہارنے والا تھا جیت گیا

یعنی اِس عالمِ فساد و شر میں

صد شُکر کہ دن آج کا بھی بیت گیا

پینے کو مئے ہوش رُبا لائی ہے

نشّے کے لئے سرد ہوا لائی ہے

گھبرا گھبرا کے پی، کہ تیری تقدیر

اِس رات کو جنّت سے چُرا لائی ہے

ہاں مشغلۂ جام و سُبو جاری ہے

اب تک وُہی رسمِ ہاؤ ہُو جاری ہے

کھاتی ہے کچھ اِنسان سے ٹکّر ایسی

ہر دین کے ماتھے سے لہُو جاری ہے

ہستی کی جب آگ دل نے تاپی ساقی

گردنِ زہد و وَرع کی ناپی ساقی

دے بادہ، ترا بھلا ہو، ڈرنا کیوں ہے؟

اِنسان تو ہے جنم کا پاپی ساقی

آدم کی سرشت کو، خُدارا پہچان

مجبور پہ، اور جرم و خطا کا بُہتان!

آ بزمِ طرب میں، کہ مری جیب میں ہیں

اِنساں کی نجات کے ہزاروں فرمان

رِندوں کو روا ہے کامرانی، ساقی

ہے روزِ جزا فقط کہانی، ساقی

محشر میں اگر ہوئی بھی پرسش بالفرض

دے لیگی جواب نوجوانی، ساقی

پی جلد کہ کلیاں ہیں چٹکنے والی

راہوں میں ہے بوئے گُل بھٹکنے والی

ہشیار! کہ مژگانِ جہاں سے تری عمر

آنسو کی طرح ہے اب ٹپکنے والی

یہ زمزمۂ آب و ہوا، کچھ بھی نہیں

یہ بارگہِ ارض و سما، کچھ بھی نہیں

ہاں جلد اُٹھا جام کہ یہ کُہنہ سرا

اِک سانس کی مہلت کے سوا، کچھ بھی نہیں

یاروں کے نہیں ہوش ٹھکانے، ساقی

سجدوں میں ہیں شیخ سے پُرانے، ساقی

انگور و طہور و حُور و غِلمان و قصور

کیا دُور کے ڈھول ہیں سُہانے، ساقی

پستی سے گزر، عرشِ معلّٰے ہو جا

پی اِتنی کہ خُود ہی رُوحِ صہبا ہو جا

ہاں بجھ کے چراغِ عقل! بن جا خورشید

ہاں ٹُوٹ کے اے حباب! دریا ہو جا

وہ شہرِ طرب کو غم نے لُوٹا ساقی

وہ ہات سے جامِ عیش چھُوٹا ساقی

ہاں جلد اُٹھا جلد رباب و ساغر

ٹُوٹا وہ حبابِ عمر ٹُوٹا ساقی!

خوشوں سے ٹپک رہی ہے شبنم، ساقی

فانوس ستاروں کے ہیں مدھم، ساقی

ہاں جلد اُٹھا جام کہ اب بزم نشاط

اِک آن میں ہے درہم و برہم ساقی

غالب ہے مرا جذبۂ غیرت مجھ پر

اِک قہر ہے ناکسوں کی صولت مجھ پر

زاہد اگر آج مے کو جائز کر دے

اِک قطرہ بھی پھر پیوں تو لعنت مجھ پر

ہشیار! کہ دل سے تاب و تب جاتی ہے

آغوش سے لیلائے طرب جاتی ہے

ساقی! غمِ صبح و فکرِ فردا کیسے؟

دینا ہے تو دے جام کہ شب جاتی ہے

باغوں پہ وہ چھا گئی جوانی، ساقی

سنکی وہ ہوائے زندگانی، ساقی

ہاں جلد انڈیل، جلد بہتی ہوئی آگ

آیا وہ برستا ہوا پانی، ساقی!

آئی ہیں گھٹائیں نغمہ خوانی کے لیے

سو رنگ لئے ہوئے جوانی کے لیئے

دے بادہ کہ سب سے بڑھ کے موزوں ہے ندیم

یہ آگ، برستے ہوئے پانی کے لیئے

کیا جام دیتے ہیں متّصل اے ساقی

اب مست ہے بزمِ آب و گلِ اے ساقی

میں جہل سے "ذرّات" سمجھتا تھا انہیں

یہ تو ہیں دھڑکتے ہوئے دِل اے ساقی!

فردوسِ بریں مے کے فسانے پہ نثار

صد سازِ خرد، دل کے ترانے پہ نثار

جمعیّتِ خاطر پہ ہو حسن کی بنیاد

کونین اُس ایک مُسکرانے پہ نثار

یہ زُہد و ورع، یہ اتّقا، کچھ بھی نہیں

یہ فضل و ہنر، یہ فلسفہ، کچھ بھی نہیں

دے بادہ کہ انتہائے علم اے ساقی

افزائِ جہالت کے سوا کچھ بھی نہیں

مخمور سے گیر و دار، توبہ، توبہ

انصاف کا خلفشار، توبہ، توبہ

انساں کی سرشت اور قانونِ سزا!

مجبور کا اختیار! توبہ، توبہ

شعلے میں یہ طوفانِ رقابت تا چند؟

خورشید کی انجمن میں ظلمت تا چند؟

اے کافرِ نعمت، اے "جوانِ صالح"!

تا چند مشیّت سے بغاوت، تا چند؟

کیا شیخ ملے گا گل فشانی کر کے؟

کیا پائیے گا توہین جوانی کر کے؟

تُو آتشِ دوزخ سے ڈراتا ہے اُنہیں!

جو آگ کو پی جاتے ہیں پانی کر کے!

معشوق کے رُخ سے چاندنی ہے شیریں

پیمانے میں ہے پرتوِ عقدِ پرویں

پیمانے میں گھول دے چہ دوزخ، چہ بہشت

معشوق بہ دار دے چہ دُنیا و چہ دیں

یہ ساعتِ مے ہے ناصحِ خوش اوقات

ایسے میں ذرا سمجھ کے کہنا کوئی بات

لوح و قلم و کرسی و عرش و افلاک

اسوقت کھڑے ہوئے ہیں باندھے ہوئے ہات!

جھومی تاریک رات میرے دل میں

بدمست ہوئی حیات میرے دل میں

ساقی نے سبو دے کے اٹھایا جو رباب

گم ہو گئی کائنات میرے دل میں!!

یہ لرزشِ صہبا، یہ ضیاباریٔ ماہ

یہ زمزمہ، یہ عربدۂ چشمِ سیاہ

کل تک تو میں دُنیا میں تھا اور اب دُنیا

خود میری ہتھیلی پہ ہے اللہ، اللہ!

وہ رات گئے شراب ڈھلنا ہے ہے

وہ پچھلے پہر صبا کا چلنا ہے ہے

معشوقۂ نوخیز کا وہ رہ رہ کر

آنکھوں کو ہتھیلیوں سے مَلنا ہے ہے!

کل رات گئے مست تھی جب موجِ نسیم

شبنم میں نہا رہی تھی پھولوں کی شمیم

اِک حور نے ساغر سے نکل کر یہ کہا

"میں رُوحِ مئے ہوش رُبا ہوں تسلیم"!

اُٹھ، ایک نظر میں سیر کر دے ساقی

دل گر بہ صفت ہے شیر کر دے ساقی

کہتے ہیں جسے حیات و تشویشِ حیات

اُس دشمنِ جاں کو زیر کر دے ساقی

جو اہلِ ترنّم ہیں، لہکتے ہیں ضرور
فیضانِ صبا سے گُل مہکتے ہیں ضرور
جو "رِند" ہیں، پی کے گو بگڑتے تو نہیں
البتہ کبھی بہکتے ہیں ضرور

کس رات کو کی نہ بادہ خواری ہم نے
کب کاکلِ عشرت نہ سنواری ہم نے
اب تک تو یہ رات جسکو کہتے ہیں شباب
زُلفوں ہی کے سائے میں گزاری ہم نے

کیا آج کی رات ہے بہلتی ہوئی رات

گاتی ہوئی چاندنی، لہکتی ہوئی رات

ہاں اور پلا کہ بھیگنے پر ہے ندیم

بکھری ہوئی زلفوں سے مہکتی ہوئی رات

ہنگامۂ انوارِ الٰہی دیکھو

گُل رنگ ہے رات کی سیاہی، دیکھو

پہلو میں صنم ہے، اور سبو میں صہبا

دیکھو مستوں کی بادشاہی، دیکھو!

کل رات کو کیا جوش میں آیا ساقی

میرے شیون پہ گنگنایا ساقی

میں نے جو کہا مقصدِ ہستی کیا ہے

ساغر چھلکا کے مسکرایا ساقی

وحدت کو ہے ناگزیر کثرت، ساقی

ہر جشن کو درکار ہے جلوت، ساقی

زاہد کی نماز ہو کہ رندوں کی شراب

دونوں کا مزا ہے با جماعت، ساقی

دل کی جانب رجوع ہوتا ہوں میں

سر تا بقدم خضوع ہوتا ہوں مَیں

جب مہرِ مبیں غروب ہو جاتا ہے

پیمانہ بکف طلوع ہوتا ہوں میں

مستی لئے انکھڑیوں کے پیمانے میں

جس طرح کہ "رومان" ہو افسانے میں

یا جیسے یکایک ہو نزولِ الہام

یوں صبح کو آیا کوئی میخانے میں

پیمانے میں ہے بادۂ اسرار نواز

نغمے ہیں زمیں پہ آسماں پر آواز

پہلو میں مچل رہا ہے اِک مستِ شباب

اے میری شبِ ماہ! تری عمر دراز!

اسرار، زباں کھول رہے ہیں، ٹھہرو

نشّے کو مرے تول رہے ہیں، ٹھہرو

اے نغمہ گرانِ بارگاہِ ساقی

جبریل امیں بول رہے ہیں، ٹھہرو

سجدے کا فلک کو حکم دیتا ہوں میں

جوئے حق میں سفینہ کھیتا ہوں میں

جس وقت سبوہات میں آجاتا ہے

نبضِ کونین دیکھ لیتا ہوں میں!

بِلّیوں پہ چھلک رہی ہیں بُوندیں ساقی

خوشوں سے ٹپک رہی ہیں بُوندیں ساقی

دے جام کہ برگہائے سبز و تر پر

رہ رہ کے کھنک رہی ہیں بُوندیں ساقی

زیبا نہیں شیخ! زندگانی ایسی!

اللہ سے اور بدگمانی ایسی!

بے شاہد و بادہ جس کی راتیں گزریں

توہینِ مشیّت ہے جوانی ایسی

کل موتیوں کو رول دیا ساقی نے

سونے میں مجھے تول دیا ساقی نے

یہ سن کے کہ کھلتا نہیں مقصودِ حیات

میخانے کا در کھول دیا ساقی نے

جھکتا ہوں کبھی ریگِ رواں کی جانب
اُڑتا ہوں کبھی کاہکشاں کی جانب
مجھ میں دو دل ہیں، اِک تو مائل بہ زمیں
اور ایک کا رُخ ہے آسماں کی جانب

(مصنف)

آئے گا نہ جانے کب زمانہ اپنا
آگے کئی صدیوں سے ہے ترانہ اپنا
قدرت سے ملا ہے مجکو حدِ حقیقت بہ حکم
بہروں کو سنائے جا فسانہ اپنا

(مصنف)

خود اپنے ہی فرمان سے معزول ہوں میں

بُو حسن کی ہے خود حریف وہ پھول ہوں میں

خود اپنی ہی تیغ سے ہوا ہے جو شہید

اے اہلِ جہاں! وہ طرفہ مقتول ہوں میں

آلامِ کہن کی یاد آتی ہے مجھے

دیرینہ محن کی یاد آتی ہے مجھے

افسانہ جہنم کے فرشتوں کا نہ چھیڑ

اربابِ وطن کی یاد آتی ہے مجھے

مُفلس ہوں، مگر وارثِ فطرت ہوں میں

اسرارِ پیمبری کی دولت ہوں میں

اے لمحۂ موجود! ادب سے پیش آ

آئندہ زمانے کی امانت ہوں میں

مانا کہ سُبک خرام و خود کام ہے وقت

بربادیٔ کونین کا پیغام ہے وقت

واللہ کہ میری ابدی محفل میں

پارے کی طرح لرزہ براندام ہے وقت

کچھ اور ہی رُت ہے بزمِ آب و گِل کی
اب فکر ہے ماضی کی نہ مستقبل کی
ہر سانس اُٹھا رہی ہے لاکھوں پردے
کِس سمت پہ باگ مُڑ رہی ہے دل کی؟

جب رخصتِ شباب پارا پارا ہوگا
دل کو رونے کا بھی نہ یارا ہوگا
حیراں ہوں کہ داغِ شیب و ننگِ پیری
کیونکہ مری غیرت کو گوارا ہوگا!

کیا عُمر کے ساتھ جوش چلتا ہے چہرہ
کیوں شَیب کے سانچے میں نہ ڈھلتا چہرہ؟
"جذبات" پہ چہرہ، "وقت" پہ عُمر سوار
کیوں عُمر سے آگے نہ نکلتا چہرہ؟

بھٹکے ہُوئے اِنسان کو دیکھو تو ذرا
اِس عقل کے نادان کو دیکھو تو ذرا
کس طرح اکڑ اکڑ کے رکھتا ہے قدم
دو پاؤں کے حیوان کو دیکھو تو ذرا

افسردہ نہ بن، لوگ بُرا مانتے ہیں

مُنہ اُترے، تو دوست اجنبی جانتے ہیں

چہروں کی شناخت اہلِ دُنیا کو نہیں

چہروں کی فقط یہ آب پہچانتے ہیں

اب خواہشِ لذّات نہیں ہو سکتی

اب دن کے سوا رات نہیں ہو سکتی

در کس لئے کھٹکھٹا رہی ہے دُنیا؟

کہہ دو کہ ملاقات نہیں ہو سکتی

تبلیغ کی دُھن میں ہے رسالت حیراں
تخلیق میں مصروف ہے شاعر کی زباں
تبلیغ ہے سُنّتِ رسُولانِ سلَف
تخلیق ہے سُنّتِ خُدائے دوجہاں

ہر دِل پہ خُود اک بارِ گراں ہے اے دل
اوروں کے لئے وقت کہاں ہے اے دِل
یہ غم میں ترے جو آہ بھرتے ہیں رفیق
یہ آہ تو برف کا دُھواں ہے اے دل

صَف بستہ ہیں کُل صفات میرے آگے

بے پردہ ہے حُسنِ ذات میرے آگے

سجدے میں گرا ہے حیات میرے در پر

جُھک جائے کائنات میرے آگے

یہ ارض ہی کچھ ہے، نہ سما ہے واللہ

ہر خشک و تر ایک واہما ہے واللہ

راتوں کو کبھی پہنچتا ہوں وہاں

بندہ ہی جہاں ہے، نہ خُدا ہے واللہ

یہ دبدبہ، یہ رواق، اللہ اللہ
کسریٰ کا یہ طُرفہ طاق، اللہ اللہ
کیونکر نہ ترا فریب کھائیں احمق؟
دُنیا ترا طمطراق، اللہ اللہ!

ماضی نے جھلک اپنی دکھائی کیا کیا
تاریخ نے کی جلوہ نُمائی کیا کیا
نکلا جو بصد شکوہ سُلطاں کا جلوس
شاعر کی گدائی مُسکرائی کیا کیا

رازِ کون و مکاں کا محرم ہوں میں

بیتاب ہوں، بےچین ہوں، بیدم ہوں میں

مجھ میں پاتے ہیں پرورش ارض و سما

گہوارۂ طفلکِ دو عالم ہوں میں

قایم رہے یہ طور، یہ ممکن ہی نہیں

باقی رہے یہ دَور، یہ ممکن ہی نہیں

احسان کیا ہے آج جس پر تُو نے

کل وہ نہ کرے جَور، یہ ممکن نہیں

اِنسان ہے بے پناہ اژدر، بھاگو

بھاگو، اہلِ جنون و جوہر، بھاگو

یہ آ کے اگر پاؤں پہ رکھ دے سر بھی

لازم ہے کہ پاؤں سر پہ رکھ کر بھاگو

ساونت ہوں کب کسی سے ڈرتا ہوں میں

دوزخ سے نہ زندگی سے ڈرتا ہوں میں

اِس طنطنہ و بہادری کے باوصف

دُنیا! ترے آدمی سے ڈرتا ہوں میں

کب موت کی دل لگی سے ڈرتا ہوں میں

محشر سے، نہ زندگی سے ڈرتا ہوں میں

اغیار کی دشمنی سے ڈرنا کیا!

احباب کی "دوستی" سے ڈرتا ہوں میں

موقع مجھے میرے حسبِ فطرت دیدیں

قابو میں مرے، میری طبیعت دیدیں

کچھ روز ہنسی خوشی سے جی لوں میں بھی

احباب مجھے اگر اجازت دیدیں

احباب کی یہ مزاجدانی، افسوس
یہ کفر بدوش بدگمانی، افسوس
جوشؔ اور بنے عدوئے اربابِ ادب!
افسوس ہے اے سرشتِ فانیؔ! افسوس

۱؎ حضرت فانی بدایونی

آئینۂ قلب کا نقش دھولوں دم بھر
کب کا جاگا ہوا ہوں سولوں دم بھر
دے اتنی تو جمعیّتِ خاطر یارب
بگڑی ہوئی تقدیر پہ رولوں دم بھر

یہ معجزہ قسمت نہ دکھائے گی کبھی

اے دل! یہ اُمید بر نہ آئے گی کبھی

یعنی دُنیا بگڑ کے نادانوں سے

داناؤں کو بھی گلے لگائے گی کبھی

اے عطر کے دریا میں نہانے والو

ماہِ رمضاں کے ناز اٹھانے والو

اسلام ہے صد بول سے مُحتَرم بردوش

بیدار رہو اے عید منانے والو!

کیا درد کی داد چاہتا ہے کوئی ؟

تقدیر کو یا سراہتا ہے کوئی ؟

ہر گام پر آتی ہے خفیف اِک آواز

کیا زیرِ قدم کراہتا ہے کوئی ؟

کچھ لطفِ شبستاں نہ اٹھایا تھا ابھی

ہونٹوں پہ تبسم ہی سا آیا تھا ابھی

ناگاہ سحر نے آہ بھر کر پوچھا

کس بات پہ جوش اِمسکرایا تھا ابھی

تخئیل کی وسعتیں ہیں عیاذاً باللہ
کس طرح زباں ہو نہ حیران و تباہ؟
الفاظ لرز کے ڈال دیتے ہیں سپر
جس وقت گزرتی ہے معانی کی سپاہ

سمجھاؤں کن الفاظ میں تجھ کو ہمراز
اللہ رے سحر کے وقت کا سوز و گداز
اس طرح چٹکتی ہیں چمن میں کلیاں
اطفال کی ہچکیوں کی جیسے آواز

ہمراز ہے کون گلستاں کا اے دل

انداز نرالا ہے یہاں کا اے دِل

کہتا ہے جسے "داغ" یہ قلبِ گُل میں

دراصل "تصوّر" ہے خزاں کا اے دِل

جب رات کو جھومتے ہیں یا دل کالے

ظُلمت میں تپکتے ہیں دلوں کے چھالے

قُرباں ترے اُس وقت کی تاریکی میں

انگشتِ سحر سے دل کو چھُونے والے!

غلطاں ہیں جبینِ شب میں ظلمت کے نکات

ہستی کا فسانہ کہہ رہے ہیں ذرّات

جھرمٹ ہیں ستاروں کے ہے سرگرمِ سخن

ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ بھیگی ہوئی رات۔

آتی ہے صبا چمن میں گانے کے لئے

گانے کو نہیں، خون رُلانے کے لئے

فریاد! کہ نا عاقبت اندیش کلی

پر تول رہی ہے مسکرانے کے لئے

کیوں بہرِ صلوٰۃ مجھ کو دُکھ دیتا ہے ؟

کشتی مری کوئی اور ہی کھینتا ہے

جُھکتا ہوں پئے سجدہ تو میرے سر کو

وہ بڑھ کے کلیجے سے لگا لیتا ہے

مجھ کو غمِ روزگار نے دی یہ صدا

ہٹ جا دل، اگر بار نہ اُٹھتا ہو مرا

حیرت سے کہا میں نے اُٹھا کر نظریں

تُو دل میں ہے موجود ؟ مجھے علم نہ تھا

ڈر ہے کہ نہ تلخ زندگانی ہو جائے

تمہیدِ الم نہ شادمانی ہو جائے

ہاں یارِ عزیز سے خدارا ہشیار

ممکن ہے کہ کل عدوئے جانی ہو جائے

ارمان ہیں جس دل میں، وہ آباد نہیں

شادی کی جسے ہوس ہے، وہ شاد نہیں

ہر بندِ گراں کو توڑنے کے یا وصف

اپنا جو غلام ہے، وہ آزاد نہیں

جو عشق کے غم کو زندگی کہتے ہیں
روتے کو نشاط و سرخوشی کہتے ہیں
لیکن غمِ دُنیا پہ ہو جس کی بنیاد
اُس آہ کو ہم مسخرگی کہتے ہیں

ہر منظرِ زشت و خُوب بھاتا ہے مجھے
ہر ذرّہ نئی جھلک دکھاتا ہے مجھے
پھُولوں میں بھی امتیاز کرتا تھا کبھی
کانٹوں پہ بھی اب تو پیار آتا ہے مجھے

بیگانۂ ابتدا نہیں ہوں شائد

ناواقفِ انتہا نہیں ہوں شائد

ہو طولِ حیات کی تمنا مجھ کو!

اِتنا تو میں بے حیا نہیں ہوں شائد

مرضی ہو تو سُولی پہ چڑھانا یارب

سو بار جہنم میں جلانا یارب!

معشوق کہیں "آپ ہمارے ہیں بزرگ"

ناچیز کو یہ دن نہ دکھانا یارب!

رقصاں ہے ہر اک روش پہ سلمائے حیات

روشن کتنے ہیں گلستاں کے آیات

سرو و سمن و سنبل و نسرین و گلاب

اللہ رے عروسِ رنگ و بُو کے کلمات!

حق کی ہے "عدالت" میں نرالی رفتار

ہوتا ہے ہر اک قدم پہ باطل سے دوچار

"سچ" قطعِ منازل پہ نہیں ہے وقار

جب تک کہ نہ ہو جھوٹ کے کاندھے پہ سوار

یہ بزمِ ہوس نہ ہو گی کب تک برہم؟

ہر ذرّہ خاکی ہے اِک افسانۂ غم

ہشیار! کہ کھا چکی ہے یہ خاک لئیم

صد افسرِ کیقباد و صد طرّۂ جم

مرتے ہیں کہ قائم ہو مجالس میں بھرم

ثابت ہو کہ عالم ہیں بڑے پائے کے ہم

معنی سے نہیں ہیں اہلِ مکتب آگاہ

الفاظ سے یہ طیور بھرتے ہیں شکم

ہر سانس میں سو بلائیں سہنے والے

امواجِ نفس کی رَو پہ بہنے والے

اللہ تری شمع کو روشن رکھے

اے رہگزر باد پہ رہنے والے!

انصاف! جہنم سے ڈرانے والے

اے وقتِ مدد کام نہ آنے والے

کیوں حُسن کے حملے سے بچایا نہ مجھے

یُوسف کو زلیخا سے بچانے والے

دُنیا محدُود، کارِ دُنیا محدُود،

دریا محدُود، موجِ دریا محدُود

ہر چند ہے محدُود، مگر دل کے طفیل

ہر آن مسرّت ہے مری لا محدُود

اسرار کا عقل میں نہ آنا دیکھو

ہر گام پہ سو فریب کھانا دیکھو

مشغولِ مباحثہ ہیں پیرانِ کہن

بُوڑھے بچّوں کا چہچہانا دیکھو

جاری ہے گلوں کے درمیان گفت و شنید

موضوعِ مکالمت ہے "انجامِ نمود"

کھلتی ہوئی کلیوں پہ ہے شبنم دمِ صبح

اک موجِ تبسم ہے، مگر اشک آلود

مجبور ہوں، منہ موڑ نہیں سکتا ہوں

رشتے ہیں قومی، توڑ نہیں سکتا ہوں

احباب ہیں منجملہ "عاداتِ قبیح"

واقف ہوں، مگر چھوڑ نہیں سکتا ہوں

ہر راہ میں اک شور ہے راحت کیلئے

ہر گام پر اک حشر ہے عشرت کیلئے

مخلوق کی حبث و خبث توبہ، توبہ

ساری یہ اُچھل کود ہے دولت کیلئے

شیون ہی میں گو شباب کاٹا ہم نے

پر عہد یہ کامیاب کاٹا ہم نے

آنکھوں نے تمام رات تارے بوئے

اور صبح کو آفتاب کاٹا ہم نے

قبروں سے اُبل رہے ہیں غم کے سوتے

مرنے والے نہ کاش پیدا ہوتے

کچھ بن نہ پڑا تو سو گئے آخر کار

آرام کی آرزو میں روتے روتے

صد شکر کہ آ گئے شہابی جاڑے

کلیوں میں بسے ہوئے حبابی جاڑے

بھینی بھینی رعنائیوں کے قابل

ہلکے پھلکے، خنک، گلابی جاڑے

ہر شاخ میں کیا برگ و ثمر آئے ہیں
بچھڑے ہُوئے مدّت کے نظر آئے ہیں
یہ خاکِ گلستاں کے ہیں وہ جاں پُرور خواب
جو برگ و ثمر بن کے اُبھر آئے ہیں

شاعر کا ہے دربار، زر و گوہر لے
آئی ہے تو موتیوں سے دامن بھر لے
تیری بھی خواہش ہے نوائے رُوحِ جہاں
آ، اور مجھے دُور سے سجدہ کر لے

پستی جو قریب آئے اُبھر جائے جوشؔ
دل ہے تو بگڑنے میں سنور جائے جوشؔ
کونین تری راہ میں حائل ہے اگر
کونین کو ٹھکرا کے گزر جائے جوشؔ

اپنے ہی سے کسبِ نور کرتا ہوں میں
کب خواہشِ برقِ طور کرتا ہوں میں
بندے! مرے نازِ شاعری سے نہ بگڑ
اللہ سے بھی غرور کرتا ہوں میں

کیا شیخ کی خشک زندگانی گزری

بیچارے کی اک شب نہ سہانی گزری

دوزخ کے تخیّل میں بڑھاپا بیتا

جنّت کی دعاؤں میں جوانی گزری

زاہد نے بھی کیا حیاتِ فانی کاٹی

آغوشِ لحد میں زندگانی کاٹی

ملّاؤں کی خدمت میں لڑکپن کھویا

پیروں کی ولایت میں جوانی کاٹی

موسم سے جُدا ہے زندگانی تیری
خُنکی میں بھی خشک ہے کہانی تیری
جاڑے کی رُتیں بھیگ رہی ہیں آ جوش
کس خوابِ گراں میں ہے جوانی تیری

بگڑی ہوئی عقل سے حماقت بہتر
دھوکے کی محبّت سے عداوت بہتر
شیطان و ابوجہل کی عظمت کی قسم
سَو بار غلامی سے بغاوت بہتر

تیری تجلی کو خس سمجھتا ہوں میں

کونین کو اِک نفس سمجھتا ہوں میں

کیا مجھ کو ڈرا رہا ہے "مرنا" "مرنا"

مرنے کو پرِ مگس سمجھتا ہوں میں!

قدموں پہ مرے عرشِ معلّٰی بھی سہی

خورشید کی انجمن میں ذرّہ بھی سہی

حُوریں حاضر ہوئی ہیں مُجرے کے لئے

اچھا حاضر کرو، یہ تقویٰ بھی سہی

کتبہ: عباسی لاہور

اردو فارسی اور عربی کی ہر قسم کی کتابیں ملنے کا پتہ
الناظر بک ایجنسی - لکھنؤ
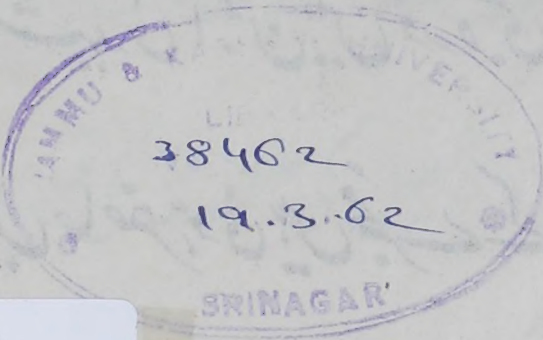
JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY LIBRARY
38462
19.3.62
SRINAGAR